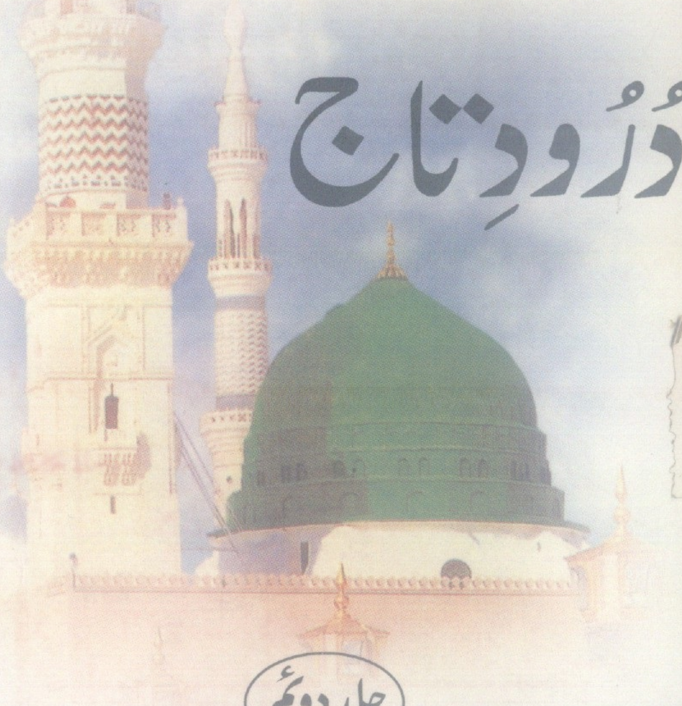
وہابی نجدی رشید گند گوہی اور جعفر پھل واری اور نذر رضوی کے خبیثانہ اعتراضات کے جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

درودِ تاج



جلد دوئم

وہابی نجدی رشید گند گوہی اور جعفر پھل واری
اور نذر رضوی کے خبیثانہ اعتراضات کے جوابات

فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

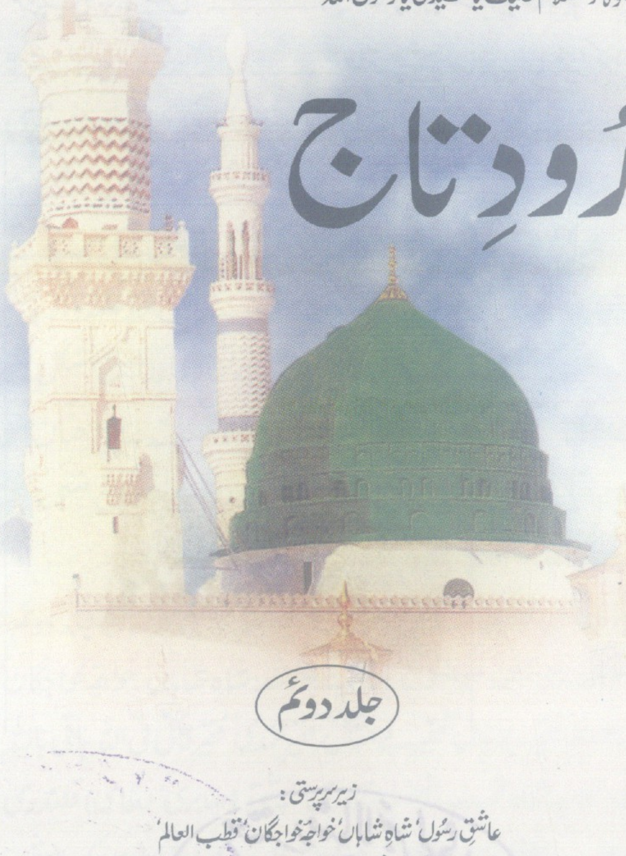
قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ علیکَ یا سیّدی یا رسولَ اللہ

دُرُودِ تاج



جلد دوئم

زیرِ سرپرستی :

عاشقِ رسول، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم

فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ

پبلشرز: حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ ۶۸-۶۷، اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸، کراچی

نام کتاب ______ دُرودِ تاج جلد دوئم

ترتیب و پیشکش ______ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

ناشر ______ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

تاریخِ اشاعت	تعداد
محرم الحرام ۱۴۲۷ھ فروری ۲۰۰۶ء	۱۵۰۰

فی سبیل اللہ
NOT FOR SALE

E-mail: arfeen@cyber.net.pk

مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پُکارا، تُونے ہماری پُکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلۂ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صَلیّ اللہُ عَلیہِ وآلہٖ وسلّم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تُو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنّان و منّان و دیّان ہے، ذوالجلال والاکرام ہے اور عَلیٰ کُلِّ شَیٍٔ قَدِیرٌ اور کُنْ فَیَکُوْن کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے "دُرُودِ تاج جلد دوئم" کے عنوان سے اس موضوع پر اپنے مُرشد شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم، فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدیؐ، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ، حضرت خواجہ شاہ مُحمّد افضل قادری، چشتی (صابری، نظامی)، قلندری المعروف "افضل سرکار" رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہِ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔

اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مُرادیں پوری فرما۔ اُن کو دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صَلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اور پنجتن پاکؑ کی محبّت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کرلے بلکہ اس میں ایسا ذوق وشوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالمِ حق کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے کلامِ پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صَلّی اللہ عَلیہ وآلہٖ وسَلّم کی اطاعت کرے تیری دی ہوئی توفیق سے۔ محض اس نیّت سے کہ تُو اور تیرے حبیبِ پاک (صَلّی اللہ عَلیہ وآلہٖ وسَلّم) اُس سے راضی ہوجائیں۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

اظہارِ تشکّر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنھوں نے دامے، درمے، سخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللّٰہ! اُن سب پر اپنے فضل وکرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلائے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مُفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر وفکر اور نماز سے غفلت، سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

گُزارش

اس تالیف میں اگر کہیں زیر، زبر یا کتابت کی کوئی غلطی نظر آئے تو اُسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجیے گا۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانیؔ

المعراج سفرہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ معراج کی داستان طویل ہے۔ یہاں بطور تبرک فقیر صرف حدیثِ معراج پر اکتفا کرتا ہے۔

حدیثِ معراج شریف

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حدیثِ معراج شریف مختصر طور پر عرض کر دُوں، تاکہ قصیدۂ معراج شریف کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرت انس بن مالک، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس رات کی کیفیت بیان فرمائی جس میں آپ کو معراج ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "میں حطیمِ کعبہ میں تھا کہ یکایک میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے میرا سینہ یہاں سے لے کر یہاں تک چاک کیا"۔ (راوی کہتا ہے کہ میں نے قریب بیٹھے ہوئے جارود سے پوچھا کہ یہاں سے یہاں تک کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حلقوم شریف (گلا) سے لے کر ناف مُبارک تک)۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا: "کہ پھر اس آنے والے نے میرا سینہ چاک کرنے کے بعد میرا دل نکالا۔ پھر میرے پاس سونے کا ایک

طشت (تھال) لایا گیا جو ایمان و حکمت سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس میں میرا دل دھویا گیا، جس سے وہ ایمان و حکمت سے بھر گیا۔ پھر اس قلب (دل) کو سینۂ اقدس میں اُس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد میرے پاس ایک جانور سوار ہونے کے لئے لایا گیا، جو خچّر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا۔ (جارود نے حضرت انس سے پوچھا کہ اے ابوحمزہ! کیا وہ براق تھا۔ حضرت انس نے فرمایا، ہاں)۔ وہ اپنا قدم حدِّ نگاہ تک رکھتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا۔ پھر جبریل مجھے لے کر چلے۔

مسلم شریف کی روایت میں آسمان پر جانے سے پہلے بیت المقدس لے جانے کا ذکر اس طرح وارد ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "میں براق پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا، اور میں نے اپنی سواری کو اس حلقہ میں باندھا، جس میں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوا" (مسلم شریف)

مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ "پھر نماز کا وقت آگیا اور میں نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کی"۔ (مسلم شریف ص۹۹)۔

اور مسلم شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ بیت المقدس جاتے ہوئے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا، تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آسمان پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے اس کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا یہ کون ہے؟ انہوں

نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا، وہ بلائے گئے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا ہاں۔ کہا کہ انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت بہت اچھا اور مبارک ہے۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام وہاں ملے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ خوش آمدید ہو صالح بیٹے اور صالح نبی کو۔

پھر جبریل علیہ السلام (میرے ہمراہ) اوپر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے، اور انہوں نے اس کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبریل، دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ بلائے گئے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ اس دوسرے آسمان کے دربان نے کہا: خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے، اور یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ پھر جب میں وہاں پہنچا تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔

جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ ان دونوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ خوش آمدید ہو، اخی صالح اور نبی صالح کو۔

پھر جبریل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے، اور اس کا دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبریل، دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؛ انہوں نے بتایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دریافت کیا گیا وہ بلائے گئے ہیں؛ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ اُس کے جواب میں کہا گیا۔ انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت ہی اچھا اور نہایت ہی مبارک ہے۔ اور دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر جب میں وہاں پہنچا، تو حضرت یوسف علیہ السلام ملے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ یوسف ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا خوش آمدید ہو، اخی صالح اور نبیٔ صالح کو۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبریل۔ پھر دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر پوچھا گیا کہ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ــــ چوتھے آسمان کے دربان نے کہا انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت ہی اچھا اور نہایت مبارک ہے۔ اور دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر جب میں وہاں پہنچا، تو حضرت ادریس علیہ السلام ملے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس ہیں، انہیں سلام کیجئے! میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد کہا خوش آمدید ہو، اخی صالح اور نبیٔ صالح کو۔

پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتھ لے کر اوپر چڑھے، یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے اور انہوں نے اس کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبریل۔ دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا کیا وہ بُلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پانچویں آسمان کے دربان نے کہا۔ انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مُبارک ہے۔ پھر جب میں وہاں پہنچا، تو حضرت ہارون علیہ السلام ملے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا خوش آمدید ہو اُخی صالح اور نبیٔ صالح کے لئے۔

پھر جبریل علیہ السلام مجھے اوپر چڑھا کر لے گئے، یہاں تک کہ ہم چھٹے آسمان پر پہنچے۔ جبریل علیہ السلام نے اس کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبریل۔ دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کہ کیا وہ بُلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہاں ہاں۔ اس فرشتے نے کہا۔ انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے۔ میں وہاں پہنچا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ موسیٰ ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے

سلام کا جواب دیا اور کہا۔ خوش آمدید ہو اخی صالح اور نبی صالح کو پھر جب میں آگے بڑھا، تو وہ رو دیئے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں تو انہوں نے کہا: میں اس لئے روتا ہوں کہ میرے بعد ایک مقدس نوجوان مبعوث کیا گیا جس کی اُمّت کے لوگ میری اُمّت سے زیادہ جنّت میں داخل ہوں گے۔

پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر چڑھا کر لے گئے۔ اور اس کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبریل۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! تو فرشتے نے کہا۔ انہیں خوش آمدید ہو۔ اُن کا آنا بہت اچھا اور نہایت مبارک ہے۔ پھر جب میں وہاں پہنچا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ملے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہیں سلام کیجئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ خوش آمدید ہو ابنِ صالح اور نبیٔ صالح کو۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھایا گیا تو (میں نے دیکھا کہ) اس درخت سدرۃ کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے، اور اس کے پتّے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں چار نہریں تھیں۔ دو پوشیدہ اور دو ظاہر۔ میں نے پوچھا:

اے جبریل! یہ نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا: ان میں جو پوشیدہ ہیں، وہ تو جنت کی نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں، وہ نیل و فرات ہیں۔ پھر بیت المعمور میرے سامنے ظاہر کیا گیا۔ اس کے بعد مجھے ایک برتن شراب کا اور ایک دُودھ کا اور ایک برتن شہد کا دیا گیا۔ میں نے دُودھ کو لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہی فطرت (دین اسلام) ہے۔ آپ اور آپ کی اُمّت اس پر قائم رہیں گے۔ اس کے بعد مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ واپس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے کہا: آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے۔؟ میں نے کہا: ہر روز پچاس نمازوں کا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: قسم ہے اللہ کی کہ آپ کی اُمّت سے پہلے میں نے لوگوں کو آزمایا ہے۔ اور میں نے بنی اسرائیل کو بیحد سمجھایا کہ وہ رب تعالیٰ کی عبادت کریں، مگر انہوں نے عبادت نہ کی۔ آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور اس سے اپنی اُمّت کے لئے تخفیف (کمی) کا سوال کریں۔ آپ نے فرمایا: پھر اللہ نے مجھ سے دس نمازیں کم کر دیں۔ میں جب پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو انہوں نے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی۔ پھر میں رب تعالیٰ کی طرف لوٹا۔ اس نے مجھ سے دس نمازیں اور گھٹا دیں۔ پھر جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو انہوں نے پھر وہی بات کہی۔

میں پھر دربارِ الٰہی میں حاضر ہوا۔ تو اس نے دس نمازیں اور کم کر دیں۔ اور مجھ کو حکم ہوا کہ ہر روز دس نمازیں پڑھیں۔ اس کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی۔ میں نے پھر رب تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ پھر اس نے مجھے ہر روز پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا: اب کی بار کیا حکم ہوا؟ میں نے کہا: میرے رب نے ہر روز مجھ کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، آپ کی اُمّت ہر روز پانچ نمازیں پڑھنے کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ بے شک میں نے آپ سے قبل لوگوں کا خوب امتحان لیا ہے، اور میں نے ان کے سمجھانے میں بڑی محنت کی ہے۔ آپ پھر اپنے رب کے پاس جائیں، اور اس سے اپنی اُمّت کے لئے نماز کی تخفیف (کمی) کا سوال کریں۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا ہے کہ اب مجھ کو حیا آتی ہے۔ رب تعالیٰ سے میں اتنی نمازوں کے ساتھ راضی ہوں اور اس کو تسلیم کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں وہاں سے آگے گیا، تو کسی پُکارنے والے نے پُکارا کہ ”میں نے اپنے فریضہ کو

نافذ کیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کی۔ آپ کی اُمت سے جو پانچ نمازیں پڑھے گا، وہ ثواب پچاس نمازوں کا پائے گا۔

اس حدیث میں مسجد اقصیٰ کا ذکر نہیں۔ ثابت بنانی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ براق پر سوار ہوا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس میں آیا اور میں نے براق کو اس حلقہ سے باندھا جس سے انبیاء اپنا براق باندھتے تھے۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد دو برتن لائے گئے۔ ایک دودھ کا، ایک شراب کا۔ میں نے دودھ کو پسند کیا۔ جبریل نے کہا: آپ نے فطرت کو پسند کیا۔

اس حدیث میں دودھ اور شراب کے دو برتنوں کا آپ کی خدمت میں پیش ہونا بیت المقدس میں کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے دونوں جگہ ایسا ہوا ہو۔ نیز اس حدیث میں انبیاء کے ساتھ نماز پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں، جب کہ دوسری حدیثوں میں یہ ذکر آیا ہے۔ مرقات میں ملّا علی قاری نے لکھا ہے کہ یہ وہ نماز ہے جس میں انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں امام الاصفیاء (امام الانبیاء) ہونا ثابت ہوا۔

ثابت بنانی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تیسرے آسمان پر پہنچے، تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا۔

آپ نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا" یوسف کو آدھا حُسن دیا گیا" اس سے حُسن مراد ہے یا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے والے مُراد ہیں۔ یعنی آدھا حُسن تنہا حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا اور باقی آدھا حُسن ان کے زمانے کے حسینوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بعد کے بعض حافظوں نے جو ہمارے معتبر مشائخ میں سے ہیں کہا کہ بے شک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ حسین تھے۔ اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ان کے چہرے کی روشنی دیواروں پر پڑتی تھی۔ وہ آئینہ کی طرح نہیں تھا کہ اس میں اس چیز کا عکس نظر آئے جو اس کے سامنے ہو۔ لیکن یہ شان ہمارے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کے حق میں بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ سے آپ کے اکثر جمال کو چھپا رکھا تھا۔ کیوں کہ اگر آپ کے جمال کو اس حقیقت کے ساتھ ظاہر کیا جاتا تو صحابہ اس کی تاب نہ رکھتے، جیسا کہ بعض محققین کا قول ہے کہ جمالِ یوسفی کو لوگوں سے چھپایا نہیں گیا۔

ثابت بنانی کی روایت میں یہ بات بھی زیادہ ہے کہ بیت المعمور میں ہر روز ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو جماعت ایک بار داخل ہوتی ہے پھر وہ دوبارہ داخل نہیں ہوتی۔ اس

میں یہ بھی ہے کہ " اے محبوب! آپ کی اُمّت سے جو کوئی پانچ
نمازیں پڑھے گا، وہ ثواب پچاس نمازوں کا پائے گا۔ اور جس نے نیکی
کا ارادہ کیا اور وہ نیکی نہیں کی، اس کے لئے ایک نیکی کا ثواب لکھا
جاتا ہے۔ اور جس نے بُرائی کا ارادہ کیا اور وہ بُرائی نہیں کی، اس کے
لئے وہ بُرائی نہیں لکھی جاتی اور جس نے وہ بُرائی کی، اُس کے لئے
صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔

ابن شہاب عن انس کی روایت میں پہلی روایتوں سے یہ چیز
زیادہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جب میں مکّہ
میں تھا، تو میرے گھر کی چھت کو پھاڑا گیا " مطلب یہ کہ حضرت
جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُمِ ہانی کے
گھر کی چھت کو پھاڑ کر نازل ہوئے۔ اور اُمّ ہانی کے گھر کو اپنا گھر اس
نسبت سے فرمایا کہ اُس رات آپ وہاں آرام فرمارہے تھے (مرقاۃ)

اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
" میں نے وہاں آدم علیہ السلام کو اسی حال میں پایا کہ اُن کے دائیں
جانب کچھ لوگ ہیں اور اُن کے بائیں جانب کچھ لوگ ہیں۔ جب وہ
بائیں جانب دیکھتے ہیں، تو روتے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جو حضرت
آدم علیہ السلام کی دائیں جانب ہیں، وہ ان کی وہ اولاد ہے جو جنّت
میں جائے گی اور جو بائیں جانب ہے، وہ ان کی وہ اولاد ہے، جو

دوزخ میں جائے گی۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پھر مجھ کو اوپر چڑھایا گیا، یہاں تک کہ میں مقام مستوی پر بلند ہوا۔ اس میں میں نے قلموں کے چلنے کی آواز کو سُنا" مرقات میں ہے کہ مستوی، قرار پکڑنے کی یا بلندی چاہنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بلندی پر پہنچے کہ جس جگہ جہاں والوں کی تقدیریں لکھنے والے ملائکہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلموں کے چلنے کی آواز سماعت فرمائی۔ مرقات میں اس کی شرح میں لکھا ہے:

"قسم ہے اللہ کی یہی ہے وہ منتہیٰ کہ اس میں آپ پر کسی کو تقدم حاصل نہیں، یعنی آپ کے سوا یہاں کوئی نہیں پہنچا۔ ایسا ہی ہمارے علماء سے بعض شارحین نے ثابت کیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جبریل میرے ساتھ چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا۔ سدرۃ المنتہیٰ کو کئی رنگوں نے ڈھانکا ہے۔ ان رنگوں کی کیفیت اللہ کو ہی معلوم ہے۔" آپ نے فرمایا: "پھر مجھ کو جنت میں داخل کیا گیا، وہاں میں نے دیکھا کہ اُس کے گُنبد موتیوں کے بنے ہوئے ہیں اور وہاں کی مٹی کستوری کی ہے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے

آسمان پر ہے۔ جو چیز زمین سے اوپر چڑھتی ہے، اس کی انتہا وہاں تک ہے۔ پھر اس کو وہاں سے اوپر کیا جاتا ہے۔ اور جو چیز اوپر سے نازل ہوتی ہے، اس کی انتہا بھی وہاں تک ہے۔ پھر وہاں سے اس کو نیچے کیا جاتا ہے۔ جس نے سدرہ کو ڈھانکا ہے، راوی نے اس کی تفسیر کی ہے کہ وہ سونے کے پروانے ہیں جنہوں نے اس کو ڈھانکا ہے۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا ہوئیں۔ پانچ وقت کی نماز، سورۃ بقرہ کی آخری آیات اور اس شخص کی مغفرت جس نے آپ کی اُمّت میں کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا۔

معراج مافوق السماوات

بعض فرقوں نے آسمانوں سے اوپر کی معراج کا انکار کیا ہے۔ یہ چیز شانِ نبوت سے ان فرقوں کی بے خبری کی علامت ہے، ورنہ یہ تو محققین کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ عرش وکرسی اور لوح وقلم وغیرہ ہمارے نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نُورِ اقدس کی جھلکیاں ہیں۔

چنانچہ امام بخاری کے استاد، محدث عبد الرزاق اپنی تصنیف میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث لائے ہیں۔ جسے سب مانتے ہیں۔ اس حدیث پاک میں ہے کہ: سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "پس عرش، کرسی، اعلیٰ درجہ کے ملائک، روحانیوں،

ساتوں آسمانوں کے فرشتے، جنت اور اس کی نعمتیں، سورج، چاند، ستارے، عقل، علم، توفیق، انبیاء و رسولوں کی ارواح، شہداء و صالحین، سب کے سب میرے نُور سے ہیں"۔ لہٰذا ان میں سے کوئی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ شرف و عروج نہیں ہو سکتی۔ (جواہر البحار السیدی یوسف النبہانی ج ۴ ص۲۷۷)۔

سیدی علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تمام انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف حاصل کرتی ہیں نہ کہ آپ کسی سے"۔

اور یہی حضرت آگے فرماتے ہیں" اے ایمان والے! تُو اس بات کی طرف نہیں دیکھتا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور تمام مقامات سے افضل ہے"۔ (المدخل جلد ص۲۵۱)۔

بلکہ حنفیوں کے ائمہ میں سے صاحبِ دُرالمختار نے واضح کر دیا ہے کہ: جو جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (جسمانی) اعضاء شریف سے ضم کئے ہوئے ہے، وہ قطعی طور پر افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ، عرش اور کرسی سے بھی۔ (درالمختار جلد ۱ ص۱۸۴)۔

لہٰذا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا براق پر سوار ہونا آپ کا عروج نہیں، بلکہ براق کو عروج عطا فرمانا ہے۔ ملائکہ کا لگام یا رکاب تھامنا خود ملائکہ کا عروج ہے، اور بیت المقدس کی طرف سفر کرنا بیت المقدس

کا عروج ہے۔ جیساکہ علامہ نجم الدین غباطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ابنِ وحیہ فرماتے ہیں بیت المقدس کی طرف سفر کرنے میں ایک گمان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ارادہ فرمایا کہ اُس زمین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ کے قدموں کی برکت سے محروم نہ رکھے۔ پس اس لئے بیت المقدس کی پاکی و بزرگی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے پورا فرمایا۔ اسی طرح جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور جن جن سے آپ نے ملاقات فرمائی، یہ اُن کے حق میں معراج تھا نہ کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں۔

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ معراج کی رات حضور نبیٔ پاک، شہ لولاک، صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سے گزرے وہاں کی اشیاء کو معراج ہوتی گئی آپ نے تو صرف اور صرف ذاتِ حق تعالیٰ کے دیدارِ پُرانوار اور دیگر رموز و اسرار سے مشرف ہو کر معراج پائی۔

رفرف

جب حضرت جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے، تو سبز رنگ کا ایک تخت ظاہر ہوا، جس کا نام رفرف ہے۔ اس کے ساتھ ایک فرشتہ بھی تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفرف والے فرشتے کے

سپرد کیا۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۶)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ تدلیٰ کا فاعل رفرف ہے اور دنیٰ کے فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس طرح دنیٰ فتدلیٰ کا ترجمہ یوں ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رفرف نیچے اُتر آئی، حتیٰ کہ آپ اس میں بیٹھ گئے۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے اور اقرب درجہ سے عزت پائی۔ (سیرت جلد ۱ ص ۱۴۴)۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"میں اکیلا روانہ ہوا اور بہت سارے حجاب طے کئے، یہاں تک کہ ستّر ہزار حجابوں سے گزر ہوا، کہ ہر ایک حجاب کی موٹائی پانچ سو برس راہ کی تھی، اور دو حجابوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کا تھا۔" ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری براق یہاں پہنچ کر تھک گیا۔ اس وقت سبز رنگ کا رفرف ظاہر ہوا جس کی روشنی سورج کو ماند کرتی تھی۔ آپ اس رفرف پر سوار ہوئے اور چلتے رہے، حتیٰ کہ عرش کے پایہ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد بہت سے اور حجابات سامنے آئے۔ ان میں سے ستّر ہزار حجابات سونے کے تھے، ستّر ہزار چاندی کے، ستّر ہزار مروارید کے، ستّر ہزار زمرد سبز کے، ستّر ہزار یاقوت سرخ کے، ستّر ہزار حجاب نور کے، ستّر ہزار حجاب تاریکی کے، ستّر ہزار پانی کے، ستّر ہزار مٹی کے، ستّر ہزار آگ کے اور ستّر ہزار ہوا

کے تھے۔ ہر حجاب کی موٹائی ایک ہزار سال راہ کی تھی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رفرف ان حجابوں سے گزرتی ہوئی عرش کے پردہ نشینوں تک لے گئی۔ وہاں ستّر ہزار پردے دیکھے۔ ہر پردے کی ستّر ہزار زنجیر تھی اور ہر زنجیر کو ستّر ستّر ہزار فرشتوں نے گردن پر اٹھا رکھا تھا۔ اور وہ فرشتے اس قدر قدآور تھے کہ ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک ستّر ہزار سال کی راہ تھی۔ اور یہ پردے بعض مروارید کے، بعض یاقوت کے اور بعض ہوا کے تھے۔ اور ہر ایک پردہ پر ایک فرشتہ ملازم تھا۔ ستّر ہزار فرشتے جن کا ذکر ابھی گزرا ہے، سب اس کے تابع تھے۔ رفرف نے آپ کو حجابات سے پار پہنچایا اور پھر غائب ہوگئی۔ اس کے بعد ایک صورت گھوڑے جیسی ظاہر ہوئی، جو دانۂ مروارید سفید کی طرح تھی۔ تسبیح کہتی تھی، اس کے منہ سے نُور کے فوارے نکلتے تھے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور اُن ستّر ہزار پردوں سے گزارا جو عرش سے وراء ہے۔

(نوٹ:۔ صاحبِ نزہت المجالس رحمتہ اللہ علیہ نے پانچ سواریوں کا ذکر کیا ہے اور کسی نے تین سواریوں کا ذکر کیا ہے۔ غرض جس کے پاس جتنی روایات تھیں، اتنا بیان کیا۔)

سدرۃ المنتہیٰ مقامُہ

یہ جملہ شبِ اسریٰ میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ایک گزرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیٔ شان کی دلیل ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مقام بہت اعلیٰ و بلند ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک پہنچے اور پھر آگے بڑھ گئے، مگر جبریل علیہ السلام جیسا بلند مرتبہ فرشتہ آگے نہ جاسکا۔

اعتراض:۔ جعفر پھلواری کو اس جملہ پر اعتراض ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جبریل کا مقام ہے۔ وہاں جاکر وہ ٹھہر گئے اور آگے نہ جاسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گزرگاہ تھی، مقام نہ تھا۔ گویا اس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ صاحبِ درود تاج نے غلطی کی ہے۔ حالانکہ وہ خود سخت غلطی میں ہے۔

غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: ”محترم نے اس جملہ کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ حقیقت یہ ہے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام جبریل ہونے کے جو معنی ہیں، وہ یہاں مراد نہیں۔ بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی بلندیٔ شان کا بیان مقصود ہے۔ وہ یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک کوئی بشر نہیں پہنچا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بشری جسم کے ساتھ وہاں پہنچے۔ ”مقامُہ“ سے یہاں مراد پہنچنے کی جگہ مراد ہے۔

کیوں کہ جہاں کچھ دیر ٹھہر کر کوئی چلا جائے۔ اس جگہ کو مقام کہنا درست ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر کعبہ معظمہ کی تعمیر فرمائی تھی، اسے قرآنِ مجید نے مقامِ ابراہیم کہا۔

سورۃ بقرہ میں ہے: واتخذوا من مقام ابراھیم مُصلّٰی۔ یعنی مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اور جس جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تختِ بلقیس منگوایا تھا، اسے سورۃ النحل میں مقامك کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح صحیحین میں ہے کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبر شریف کو اپنا مقام فرمایا: مادمت فی مقامی ھٰذا۔ (بخاری جلد ۱ ص۷۷ مسلم جلد ۱ ص۲۶۳)۔ اور اس کے معنے سوائے پہنچنے اور کھڑے ہونے کی جگہ کے کچھ اور نہیں۔

درودِ تاج کے اس جملہ میں مَقَامُہٗ کا یہی مفہوم ہے۔ مقامِ جبریل پر مقامِ مصطفےٰ کا قیاس ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس جبریل پر۔

حضرت حافظ علامہ احسان الحق مرحوم مذکورہ بالا قرآنی دلائل کے بعد لکھتے ہیں کہ اسی طرح معراج کی رات اگرچہ حضورِ اقدس سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے بہت آگے چلے گئے تھے، لیکن چونکہ آپ نے کچھ دیر وہاں قیام فرمایا تھا، اس کے پھل کو، پتّوں کو بغور دیکھا تھا، چار

نہریں، دو ظاہری دو باطنی ملاحظہ کی تھیں، وہاں اللہ تعالیٰ کے امر کو اُترتے بھی دیکھا تھا اور اُسے پہلے سے بہتر حالت کی طرف بدلتے بھی دیکھا تھا، آپ نے وہاں بہت سے احکامِ خداوندی بھی وصول فرمائے تھے اور کچھ دیر جبریل امین سے مصروفِ گفتگو بھی ہوئے تھے۔ (مشکوٰۃ ص۲۸/ ۵۲۷) اسی لئے سدرۃ المنتہٰی کو مقامِ کہا گیا ہے۔

سدرۃ المنتہٰی کیسا ہے؟

حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ہم سدرۃ المنتہٰی'' تک پہنچے۔ وہ ایک درخت ہے، جو کستوری کے ڈھیر پر اُگا ہوا ہے۔ اس کی ایک ہزار شاخیں ہیں۔ ہر شاخ کے سایہ میں ایک سوار ایک سو سال تک چل سکتا ہے۔ اس کی ہر شاخ میں ایک ہزار پتّے ہیں۔ اُس کے ایک پتّے کے سایہ میں تمام انسانوں اور جنّوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اور اُس کے ایک ایک پتّے پر چاند جیسا ایک ایک فرشتہ ہے، اس کے سر پر نُور کا تاج ہے اور ہاتھ میں نُور کی چھڑی ہے۔ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے ''ہم سدرۃ المنتہٰی کے رہنے والے ہیں اور یہ تسبیح پڑھتے ہیں: سُبحان من لیس لہ انتہاء''

سدرۃ المنتہٰی کی بنیاد سے ناقابل تبدیل پانی اور دودھ کی نہریں نکلتی ہیں کہ اس کے دُودھ کا مزا بدلتا نہیں۔ اور عارفوں کے لئے شراب

کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ خالص شہد کی نہریں بھی اُس کی بنیاد سے نکلتی ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سورۃ البقرہ اور آپ کی امت کے لئے مغفرت کے خزانے عطا فرمائے۔ یہ بھی فرمایا کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے، جنّت کے متصل، اُس کی بنیاد جنت میں ہے۔ اس کی شاخیں کرسی کے نیچے ہیں اور بعض شاخیں عرش کے نیچے ہیں۔ جبریل کا مقام سدرۃ المنتہیٰ کے درمیان ہے۔

القول الاعجب

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ آسمان سے پردے میں ہے جیسے کہ وہ اہلِ زمین سے حجاب میں ہے۔ اس کے حجاب میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبریل سے فرمایا کہ تو نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے اور رب کے درمیان نُور کے ستّر حجاب (پردے) ہیں۔

اسی طرح کہا گیا ہے کہ جبریل اور میکائیل کے درمیان اللہ تعالیٰ نے نُور کے ستّر حجاب پیدا کئے ہیں اور ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ کے برابر ہے۔ اگر ان دونوں کے درمیان یہ حجابات حائل نہ ہوتے تو جبریل، میکائیل کے نُور سے جل جاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے

میکائیل اور اسرافیل کے درمیان ستّر حجاب پیدا کئے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میکائیل، اسرافیل کے نور سے جل جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عقل اور آنکھیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ اللہ تعالیٰ کا نہ کسی میں حلول ہے اور نہ وہ بذاتِ خود کسی چیز سے غائب ہے۔ آسمان والے بھی رب تعالیٰ کو اسی طرح طلب کرتے ہیں جس طرح، اے زمین والو، تم اُس کو طلب کرتے ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: تم مجھ سے پوچھو، اس سے پہلے کہ تم مجھ کو نہ پاؤ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا ہے کہ نہ وہ جبریل کو عطا ہوا ہے اور نہ میکائیل کو۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو معراج کی رات میں کئی علوم عطا کئے۔ ان میں بعض علوم وہ ہیں کہ جن کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعض وہ ہیں کہ جن کی تبلیغ کی اجازت دی۔ اور بعض وہ ہیں جنکی صرف خواص کو اجازت بخشی۔

قاب قوسین مطلوب: اس جملہ پر پھلواری نے ایک سانس میں کئی اعتراضات کر دیئے۔ فقیر اس کے اعتراضات، غزالئ زمان قدس سرہٗ کے جوابات کے ساتھ نقل کرتا ہے۔ غزالئ زمان قدس سرہٗ نے فرمایا: "پھلواری صاحب کا یہ فرمانا بھی غلط ہے کہ یہاں "قاب" کو مرفوع پڑھنا چاہیئے"۔ انہوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ قرآن کریم کے

الفاظ "قاب قوسین" کو حکایت کے طور پر درود تاج میں شامل کیا

گیا ہے اور درود تاج میں "قابَ" کا نصب (زبر لگانا) اعرابِ حکائی

ہے۔ اعرابِ حکاتی کی بحث میں "معجم النحو" میں لکھا ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی حکایت الغتہ "مماثلت" ہے اور اصطلاح میں

کسی مسموع (سُنے ہوئے) لفظ کو اس کی ہیئت (بناوٹ، صورت)

پر وارد کرنا "حکایت" ہے۔ جیسے مَنْ مُحَمّدًا کو جب کہا جائے

رأیتُ مُحَمّدًا (ص۱۷۶ طبع مصر) آیت قرآنیہ میں لفظ "قاب" زبر

کے ساتھ مسموع ہے۔ اس کی ہیئت پر درود تاج میں حکایۃً وارد

کیا گیا۔ کسی اہلِ علم کے نزدیک اِعرابِ حکائی ناجائز نہیں۔

پھلواری صاحب نے اعتراض اٹھایا کہ "قاب قوسین" کو حضور کا

مطلوب و مقصود قرار دینا اس وقت تک غور کے قابل ہے جب تک

کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصدیق نہ

ہو جائے۔ شاید پھلواری صاحب قَابَ قَوْسَیْنِ کے مراوی معنی نہیں

سمجھتے۔ اس سے مراد کمالِ قربِ الٰہی ہے اور یہ کمالِ قرب اپنے

حسبِ حال ہر مومن کا مطلوب و مقصود ہے کہ کتاب وسُنّت کی تعلیم

کا خلاصہ یہی ہے کہ بندے کو کمالِ قرب نصیب ہو، جو کمالِ

عبدیت کا معیار ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ مضمون

وارد ہے۔ مثلاً " وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ہ

(پ۲۷ الواقعہ آیت ۱۰، ۱۱) یعنی جو سبقت کرنے والے ہیں، وہ تو سبقت ہی کرنے والے ہیں، وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔

اور بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"۔

یعنی اور جبار رب العزۃ قریب ہوا۔ پھر اور زیادہ قریب ہوا، یہاں تک کہ وہ اس (عبد مقدس) سے دو کمانوں کی مقدار تھا، یا اس سے زیادہ قریب۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۰)

اب تو پھلواری صاحب سمجھ گئے ہوں گے کہ "قاب قوسین" کے معنیٰ کمال قرب ہیں، جو یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب و مقصود ہے۔

تبصرۂ اویسی غفرلہ

گویا جعفر پھلواری صاحب صرف جمہور (اکثریت) کے غیر کا مذہب منوانا چاہتے ہیں۔ پھر سینہ زوری یہ کہ قاب قوسین کو حضور کا مطلوب و مقصود قرار دینا محلِ نظر ہے۔ اور اس کا قرآن و حدیث میں ثبوت ہے ہی نہیں۔ اس نے بلا دعویٰ جو کچھ کہا غزالیٔ زمان رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً جواب لکھا۔ فقیر امام اہلسنّت شاہ احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی تفصیلی تقریر عرض کرے گا

المطلوب مقصودہ :۔ جعفر پھلواری صاحب کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاب قوسین محلِ نظر آیا اور پھر سینہ زوری یہ کہ کتاب وسُنّت سے اس کی تصدیق نہیں۔

تبصرۂ اویسی :۔ جعفر پھلواری صاحب کو یا تو مطالعہ کی کمی ہے، یا یہ صرف شکوک وشبہات پیدا کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ورنہ اس موضوع پر دلائل کا انبار موجود ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ نے صرف اسی موضوع پر ایک مستقل رسالہ "منبہ المنیہ فی لوصول الحبیب الی العرش الرؤیۃ" تصنیف فرمایا: اس میں آپ نے دس آیات اور گیارہ احادیث مبارکہ واقوالِ صحابہ کرام اور اقوالِ ائمہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ قیامت سے پہلے کسی کو اگر دیدار کرنے کا شرف ہوا، وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حصہ ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

؎ قصرِ دنیٰ تک کس کی رسائی

آتے یہ ہیں جاتے یہ ہیں

(۱) ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ (سورۃ النجم ۸/۹)

یعنی پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اُتر آیا، تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا، بلکہ اس سے بھی کم۔

(۲) وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی (سورۃ النجم ۱۳)

یعنی اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا۔

احادیثِ مبارکہ :۔

(۱) حضرت امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے متعلق امام جلال الدین سیوطی "خصائص الکبریٰ" میں اور علامہ عبدالروف "مناوی تیسیر شرح جامع صغیر" میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہ سند صحیح ہے۔

(۲) ابنِ عساکر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ لا ان اللہ اعطی موسی الکلام واعطانی الرویۃ لوجہ وفضلتی باالمقام المحمود والمومن الموردو۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولتِ کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا، مجھ کو شفاعتِ کبریٰ اور حوضِ کوثر سے فضیلت بخشی۔

(۳) ابنِ عساکر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کرتے ہیں :۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لی ربی لخت ابراھیم خلتی وکلمت موسیٰ تکلمًا واعطینك یا محمد کفاحًا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا، میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد مواجہ (روبرو) بخشا کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

(۴) ابن مردویہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں: ترجمہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان فرمارہے تھے، میں نے عرض کی ”یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے اس کے پاس کیا دیکھا؟“ فرمایا ”مجھے اس کے پاس دیدار ہوا۔“

(۱) ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ ترجمہ :۔ ہم بنی ہاشم اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کہتے ہیں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا۔

(۲) ابنِ اسحاق عبد اللہ بن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ :۔

ترجمہ :۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ عکرمہ ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے

ان سے عرض کی کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو فرمایا، ہاں! اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کیلئے کلام رکھا اور ابراہیم علیہ السلام کیلئے اپنی دوستی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دیدار، اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ (امام ترمذی کہتے ہیں کہ حدیث حسن ہے)۔

(۴) امام نسائی اور امام ابنِ خزیمہ و حاکم و بیہقی کی روایت میں ہے کہ

ترجمہ:۔ کیا ابراہیم علیہ السلام کیلئے دوستی اور موسیٰ علیہ السلام کیلئے کلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دیدار ہونے میں تمہیں کچھ حیرت ہے"۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام قسطلانی و زرقانی نے فرمایا اس کی سند جید ہے۔ طبرانی "معجم اوسط میں راوی ہے"۔

(۵) ترجمہ :۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے، بے شک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار اپنے رب کو دیکھا۔ ایک بار آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔ امام سیوطی و امام قسطلانی و علامہ شامی و علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(۶) امام ابنِ خزیمہ و امام بزار، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ:۔

ترجمہ :۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزو جل کو دیکھا۔ امام احمد قسطلانی و زرقانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند مضبوط ہے۔

(۷) محمد بن اسحاق کی حدیث میں ہے۔

کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو ثابت مانتے اور اس کی دلیل میں فرماتے ہیں:

"قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رایت ربی" الخ

(٦) نہ قال اقول بحدیث ابن عباس بعینہ رآی ربّہ رآہ رآہ حتی انقطع نفسہ (تفسیر نقاش)۔

نقاش اپنی تفسیر میں اس امام سند الانام رحمت اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا معتقد ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا، دیکھا، دیکھا، یہاں تک فرماتے رہے کہ سانس ٹوٹ گئی۔

(٧) امام ابن الخطیب مصری، مواہب شریف میں فرماتے ہیں کہ امام معمر بن راشد بصری اور ان کے سوا اور علماء نے اس پر حتمی فیصلہ دیا اور تائید کی۔

(٨) یہی امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری اور ان کے غالب پیروں کا مذہب ہے۔ علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض "شرح شفائے امام قاضی عیاض" میں فرماتے ہیں کہ اکثریت اس عقیدہ کی قائل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اپنے رب کو بیداری کے عالم میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

انتباہ:۔ اس موضوع پر اگر بعد کے اماموں کے الگ الگ

اقوال نقل کئے جائیں تو اس کے لئے ایک بڑا دفتر درکار ہوگا کیونکہ وہ بے شمار ہیں۔ مختصر یہ کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب بیداری کے عالم میں، اپنی آنکھوں سے اپنے رب تعالیٰ عزوجل کا دیدار فرمایا، نہ صرف ایک بار بلکہ دو بار جیسا کہ رب کائنات نے تو جلوہ دو بار دیکھا۔ (پ ۲۷ سورۃ النجم ۳۰)

نذر الرضوی یا معتزلی

نام کا رضوی اور کام کا معتزلی اس لئے ہے کہ ایک طرف امام احمد رضا محدث دہلوی قدس سرہ کو آقائے نعمت اور دیگر بڑے لقب دیتا ہے، پھر ان کی تردید کرتا ہے اور نظریہ اعتزالی کی تائید میں غلط سلط طریقے سے تردید کرتا ہے۔ مثلاً رسالہ تنویر السراج میں جعفر پھلواری دیوبندی نے دیگر دیوبندی منکرانِ درود تاج کی تائید میں سوال قائم کر کے جواب لکھا کہ بلاشک وشبہ سدرۃ المنتہیٰ حضرت رُوح الامین یعنی حضرت جبریل امین کا مقام وادہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ۔ تحقیق انہوں نے (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں (یعنی جبریل علیہ السلام کو) دوسری بار پہنچے وقت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ اس کے بعد نام لے کر تردید لکھی کہ بعض مترجمین اور مفسرین، جن میں صاحبِ تفسیر ثنائی اور صاحبِ کنز الایمان بھی شامل ہیں۔ اس کے

بعد تردید کی وجوہات میں لکھا کہ یہ جمہور (اکثریت) کی تفسیر کے خلاف ہے۔

تبصرۂ اویسی

نذر الرضوی نے دیوبندیوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے آقائے نعمت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا رد کرتے ہوئے آیتِ مذکورہ کی پہلی دلیل یہ دی کہ جمہور کے خلاف ہے۔ آیت مذکورہ میں حضور علیہ السلام کا دیدارِ باری تعالیٰ مُراد نہیں، جبریل علیہ السلام مُراد ہیں۔ یہ نہیں معلوم کہ نذر رضوی کا جمہور سے مراد معتزلہ سے ہے تو وہ حق بجانب ہے، لیکن اگر جمہور سے مُراد اہلِ سُنّت ہیں تو اُسے چاہیئے تھا کہ اس کا حوالہ لکھتا۔ اور اس نے جس امام اہلسُنّت کو طنز اور تنقید کا نشانہ بنایا ہے، انہوں نے تو اپنے دعویٰ میں کئی حوالہ جات تحریر فرمائے ہیں، جیسا کہ اس مضمون سے پہلے مذکور ہوئے۔

نذر الرضوی کا غلط استدلال

اس کے بعد اپنا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے اس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ عقیدت کیا، تاکہ ناظرین سمجھیں کہ اس نے واقعی کوئی حدیث بیان کی ہے۔ لہٰذا مفسرِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی بات حق ہے اور امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ حضور علیہ السلام کے خلاف چل گئے۔ (معاذ اللہ)

مذکورہ بالا دھوکہ دے کر مسلم شریف کی روایت سے سیدہ عائشہ صدیقہ کا نظریہ لکھ دیا کہ بی بی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آیت میں جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس کے بعد صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی بھی

توہین کرڈالی۔ حالاں کہ خود جاہل ہے۔ نہ حوالہ جات لکھتا ہے اور نہ ہی تردید میں صحیح دلیل دیتا ہے۔

یہاں صرف اتنا عرض ہے کہ نذر الرضوی نے حضور علیہ السلام پر بہتان لگایا اور قول لکھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ عبارت نہیں لکھی۔ حالانکہ اس روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مطلق دیدار باری تعالیٰ کے متعلق ہے کہ حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ اور تمام علمائے اہلِ سُنّت (بشمول دیوبندی فضلاء) کے نزدیک بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ بلکہ بی بی صاحبہ سے معراج شریف کی نفی کی روایت بھی ہے۔ تو کیا نذر الرضوی اسے بھی قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کر کے معراج کی بھی نفی کر ڈالے گا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون۔)

اس کے بعد نذر الرضوی نے بے معنی بحث چھیڑ کر وہی راگ الاپا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا، اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ یہ اس کی بنیادی خطا ہے کہ سورۃ والنجم والتکویر کے مضامین کو جبریل علیہ السلام پر لگایا ہے۔ حالاں کہ یہ قول مرجوح ہے۔ راجح (بہتر) وہی ہے جو امام اہلسُنّت، شاہ احمد رضا محدث بریلوی نے لکھا۔ اس کی مزید تحقیق فقیر کی شرح حدائق میں پڑھیئے۔

المقصود موجودہ:۔ جعفر پھلواری کہتا ہے کہ علاوہ ازیں یہ

پوری عبارت ہی عجمی قسم کی عربی عبارت ہے۔ موجودۂ کی ترکیب اضافی کچھ عجیب ہی ہے۔ مقصودۂ کا کیا مطلب ہوا۔ علامہ غزالیٔ زماں رحمتہ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس عبارت کو بلا دلیل عجمی قسم کی عربی عبارت کہنا ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جس عبارت کے معنیٰ انہوں نے پوچھے ہیں، وہ اپنے معنیٰ میں بالکل واضح ہے کہ قابِ قوسین یعنی کمال قربِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب ہے، اور مطلوب وہی چیز ہوتی ہے جو کسی کا مقصود ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ایسا نہیں ہے، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پایا ہو، بلکہ وہ پایا ہوا ہے۔ لہٰذا ''موجودۂ'' کی ترکیب کو عجیب سی ترکیب کہنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت علامہ حافظ احسان الحق مرحوم اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ عبارتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص سے نوازے جانے کو اگرچہ قاب قوسین سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصودِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کسی جگہ متمکن یا مقیّد نہیں ہیں، وہ اس سے پاک و منزّہ ہے۔ وہ معبودیت کی اس شان و عظمت سے ہر جگہ موجود ہے۔ جہاں آپ ہیں وہاں وہ ہے۔ جہاں وہ ہے وہاں آپ سربسجود ہیں۔

(رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ)۔

انیس الغریبین :۔ اس جملے کی عربیت پر بھی پھلواری
نے اعتراض کیا ہے کہ یہ عربیت غیر مانوس ہے۔

جواب :۔ حافظ احسان الحق نے فرمایا کہ (درود تاج)
کے مصنف عربی الاصل ہیں، یعنی قطب الوقت شیخ ابوالحسن شاذلی
رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ عربی النسل ہونے کے علاوہ بہت بڑے محدّث
اور علامۂ دوران بھی تھے۔ اسی طرح پھلواری صاحب کا ان کے عرب
ہونے سے بے خبری جہالت ہے کیونکہ وہ عجمی اور عربیت کی
تحقیق سے بے خبر ہے۔ اس کی مفصل تحقیق آگے آئے گی۔

ظاہر ہے کہ جب عربی النسل انسان، غریبین کو غریب کی
جمع کے طور پر استعمال کر رہا ہے، تو اس کے علم میں ہوگا کہ غریب کی
جمع غریبین بھی ہے۔ جیسا کہ غزالئ زمان قدس سرہٗ کو مذکورہ بالا
تحقیق میں اس کی نظیر (مثال) پیش کی گئی ہے۔ یہی حال دوسرے
جُملوں کا ہے، جن پر پھلواری صاحب عجمیّت کا الزام لگا رہے ہیں۔

سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ :۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے نہ صرف سردار بلکہ ان کے نبی بھی ہیں۔
اسی لئے آپ کا لقب نبی الانبیاء ہے۔ اس کے متعلق کچھ پہلے لکھ چُکا
ہوں، کچھ صفت رحمتہ اللعالمین میں عرض کروں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

خاتم النبیّین :۔ یہ آیتِ قرآنی کا ایک کلمہ ہے، یعنی

وہ آیت جو ختم نبوّت کے متعلق ہے خاتم النبیّین کو عاصم نے
"ت" کے اوپر زبر کے ساتھ پڑھا ہے، جس کے معنی ختم کا وہ آلہ یا وہ
شے جس کے ساتھ مُہر لگائی جائے۔ (جیسے طابع بمعنے وہ شے جس سے
مُہر لگائی جائے)۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم
وہ ذاتِ پاک ہیں، جن سے انبیاء علیہم السلام کی نبوّت پر مُہر لگادی گئی
کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ آپ پر نبوّت ختم ہوگئی۔
بعض قاریوں نے اسے بالکسر (یعنی زیر کے ساتھ) پڑھا ہے۔
جس کے معنی ہیں نبیوں کے خاتم (مرزا قادیانی کی ظلّی بروزی نبوت
کا دعویٰ خرافات ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صاحبزادہ
سنِ بلوغ کو پہنچتا، تو پھر آپ خاتم النبیّین نہ ہوتے۔ چنانچہ حدیث
شریف میں ہے کہ اگر آپ کا صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔)
یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد نبوّت کی وراثت سنبھالتی رہی۔
یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسانِ عظیم تھا۔ لیکن ہمارے حضور علیہ السلام کے وارث
آپ کی اُمّت کے باعمل علماء ہیں۔ نبوّت کی حیثیت سے نہیں بلکہ
اشاعتِ اسلام کی حیثیت سے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب تشریف لائیں
گے۔ اس اعتبار سے حضور علیہ السلام خاتم النبیّین نہ ہوئے۔

جواب: چونکہ وہ ایک اُمّتی کی حیثیت سے نازل ہوں گے،

اس لئے آپ کی ختم نبوت میں فرق نہیں آتا۔ وہ حضور علیہ السلام کے نائب ہو کر احکام اسلام کی ترویج فرمائیں گے۔ یہ ایسے ہے جیسے حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:۔ انت منی بمنزل ہارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی۔ (یعنی اے علی! تم میرے ایسے نائب ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے نائب تھے۔ صرف یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔) اس معنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بن کر نہیں آئیں گے۔ جیسے وہ پہلے زمانے میں نبی تھے۔ ہاں حضور علیہ السلام کی شریعت مطہرہ پر نازل ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے اور وہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب ہوں گے۔

سوال :۔ احادیث میں وارد ہے کہ جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، تو صلیب توڑیں گے اور خنزیر (سور) کو قتل کریں گے۔ حلال میں اضافہ فرمائیں گے اور کافروں سے جزیہ اٹھالیں گے۔

جواب :۔ یہی احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ہیں لیکن ان کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا، کیونکہ ان احکام کو انہی کے زمانہ سے مقدر فرمایا گیا تھا۔

فائدہ : خاتم النبیین میں اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اُمّت کے شفیع ہیں۔ اور اُمّت پر آپ کی تعظیم ضروری ہے۔ اس لئے کہ جس کے بعد اور کوئی نبی آنے والا ہو، تو وہ کچھ احکام انہی کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ احکام اس آنے والے نبی کے لئے مقدر ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں جن نبی کے بعد کوئی نبی نہ ہو، وہ اپنی اُمّت کے لئے زیادہ مہربان ہوتا ہے اور ہر طریقے سے ان کی رہبری فرماتا ہے۔

مسئلہ :۔ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کا خاتم ہونا نصِ قطعی ہے (یعنی قرآنی آیات کے مطابق قطعی طور پر واضح ہے)۔ اس طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، تو رسول کا نہ ہونا بھی ثابت ہوا، کیوں کہ مقامِ رسالت، مقامِ نبوت سے اخص ہے۔ اسی لئے ہر رسول نبی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

فضائلِ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پھر انہیں خاتم النبوۃ کے مرتبہ سے مشرف فرما کر اپنی کتاب میں درج فرمایا اور احادیثِ متواترہ میں ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور اگر آپ کے بعد کوئی نبوت کا دعویٰ کرے، تو وہ جھوٹا، بہتانی، دجّال، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ (جیسے مرزا قادیانی وغیرہ) جھوٹے معجزے اور

شعبدے دکھانے اور قسم قسم کے جادو طلسم کے کمالات سے نبوّت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اہلِ دانش کے نزدیک یہ سب گمراہی ہے۔ اسود عنسی کے ذریعے یمن میں اور مسیلمہ کذاب سے یمامہ میں جھوٹی نبوّت کے فتنے اُٹھے، لیکن اہلِ علم اور دانش مندوں نے انہیں جھوٹا اور کذّاب قرار دیا یہی وجہ ہے کہ دجال بہت بڑے امور کرامت کے طور پر دکھائے گا۔ لیکن اس کے باوجود علماء اور جملہ اہلِ ایمان اس کو جھٹلائیں گے۔

شیعہ کا جھوٹا عقیدہ

شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ نبوّت قیامت تک جاری رہے گی، یہ ورثے میں پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی۔ اس کے بعد ان کی اولاد میں جاری وساری ہے۔ اسی لئے لوگوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت فرض ہے۔ اور جو ان کی اطاعت سے انکار کرے گا، وہ اُن کے نزدیک کافر ہے۔ (ہمارے دور کے شیعہ کچھ اسی عقیدہ کے پیروکار ہیں۔ وہ صحابہ کرام خصوصاً حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ ومعاویہ وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کو کافر کہتے ہیں۔ (تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب ”آئینہ شیعہ مذہب“ میں ہے)۔

اہلسنّت والجماعت کا سچا عقیدہ

اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

”لا نبی بعدی“

مسئلہ :۔ جو شخص حضور علیہ السلام کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرے، وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اپنے اس جھوٹے دعوے میں وہ نصِ قطعی کا منکر ہے۔ اسی طرح جو شخص ختمِ نبوت کے متعلق شک کرے یا منکر کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اس سے آپ دیکھیں گے کہ حق و باطل کا فرق واضح ہو چکا ہے۔

حکایت :۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا، تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ جو اس جھوٹے مدعی سے معجزہ کا طالب ہوگا، وہ بھی کافر ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لا نبی بعدی۔ (کذا فی مناقب الامام)۔

نکتہ :۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے ”الفتوحات المکیّہ“ میں لکھا ہے کہ نماز میں نمازی اپنے اوپر سلام کے وقت حرفِ عطف نہیں کہتا۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اگر واؤ عاطفہ لائی جاتی تو اس میں وہم گزرتا کہ وہ اپنے اُوپر بحیثیتِ نبی سلام عرض کر رہا ہے، حالانکہ نبوت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نبوت کا دروازہ قیامت تک بند ہے۔

شفیعُ المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم گناہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے ، اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے ۔ لیکن وہابی ، نجدی ، معتزلہ اور خوارج کی تقلید میں اس کے مُنکر ہیں ۔ اس کی تفصیل فقیر نے "شرح حدائق" میں عرض کردی ہے ۔ اور شفاعت کی روایات "شفیع الامم" کی صفت میں لکھ چکا ہوں ۔

انیس الغریبین صلی اللہ علیہ وسلم

اس جملہ پر پھلواری صاحب کو اعتراض ہے کہ "کس عربی دان کو نہیں معلوم کہ غریب کی جمع غرباء ہے نہ کہ غریبین ہے" ۔ آگے خود اس دور کے مصنف نے " مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ لکھا ہے ۔

اس کے جواب میں غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ اعتراض بھی اُن کی علمی کمزوری کا نتیجہ ہے ۔ انہوں نے اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کردیا کہ فَعِیْل کے ہم وزن جس صیغے کی جمع سالم نہیں آتی ، وہ وہی صیغہ ہے جو مفعول کے معنیٰ میں ہو ۔ جاربردی شرح شافعیہ میں ہے : فعیل بمعنی مفعول کی جمع سالم نہیں آتی ، تاکہ فعیل بمعنی مفعول اور فعیل بمعنی فاعل کے درمیان فرق باقی رہے ، جیسے

کُرَمَاءُ انتہا۔ (جاربردی ص۹۸ طبع سلیم پریس لاہور)۔

یعنی کریم چونکہ فاعل کے معنیٰ میں ہے، اس لئے یہ اس قانون کے ماتحت نہیں، بلکہ اس کی جمع کَرِیْمُوْنَ آتی جیساکہ رضی شرح شافیہ میں ہے: ترجمہ:۔ یعنی فعیل کے وزن پر جو صیغہ فاعل کے معنیٰ میں آئے، اُس کی جمع سالم آتی ہے، جیسے رَحِیْمٌ کی جمع رَحِیْمُوْن اورکَرِیْمَۃٌ کی جمع کَرِیْمَاتٌ ہے، تو فعیل کے وزن پر، جو صیغہ مفعول کے معنیٰ میں ہو، اس کی جمع سالم نہیں آتی، تاکہ دونوں کے درمیان فرق باقی رہے۔ انتہیٰ۔ (رضی شرح شافیہ ص۱۴۸ ج۲ طبع بیروت)۔

لفظ غَرِیْبٌ فعیل کے وزن پر صرف فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے۔ لہٰذا اس کی جمع غَرِیْبُوْنَ اور غَرِیْبِیْنَ اُسی طرح جائز ہے، جس طرح رَحِیْمٌ کی جمع رَحِیْمُوْنَ اور کَرِیْمٌ کی جمع کَرِیْمُوْنَ جائز ہے۔

صاحبِ دُرودِ تاج نے غَرِیْبِیْن کے بعد غُرَبَاء کا لفظ لاکر اس حقیقت کو واضح کردیا کہ اس کی جمع سالم اور مکسر دونوں جائز ہیں۔ جیسے رَحِیْمٌ اور کَرِیْمٌ کی جمع سالم اور جمع مکسر یعنی رُحَمَاءُ اور کُرَمَاءُ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔

لفظ غریبین کا استعمال:۔ امام لغت حدیث علامہ محمد طاہر، اپنی مشہور و معروف تصنیف "مجمع

بحار الانوار" کے مقدمہ (Preface) میں اپنے ماخذ (Source) کا ذکر کرتے ہوئے کتاب "ناظر عین الغریبین" کا حوالہ دیا اور غریبین کی مناسبت سے حرفِ غین اس کے لئے رمز قرار دیا۔ اور متعدد مقامات پر "ناظر عین الغریبین" سے حدیث کے معنے اور فوائد اخذ کئے۔ علامہ محمد طاہر جو کچھ "نھایہ" سے اخذ کرتے ہیں، بعض اوقات اس کے ساتھ ان فوائد کو بھی شامل کر دیتے ہیں، جو ناظر عین الغریبین" سے اخذ فرماتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے کتاب کے شروع میں فرمایا وَاَضُمُّ الی ذالك مافی ناظر عین الغریبین من الفوائد (مجمع بحار الانوار جلد ۱ صہ ۳ طبع نولکشور)۔

یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ لیکن اس کے اخذ کردہ ملتقطات اور فوائد کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب" ناظر عین الغریبین"، لغتِ حدیث میں عظیم و جلیل کتاب ہے۔ اس کے نام سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ علم نے لفظ غریبین استعمال کیا ہے پھلواری صاحب نے لفظ غریبین کو غلط قرار دے کر اپنی لاعلمی کا مظاہرہ فرمایا۔

علاوہ ازیں اگر ہمارے پیش کردہ حوالہ جات اور گرامر کے علماء کی واضح عبارتوں سے قطع نظر کر لیا جائے، تب بھی لفظ غریبین کے استعمال کو غلط کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس قسم کا استعمال آخر کلمات میں رعایتِ تناسب کی صورت میں بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے استعمال کی مثال قرآن مجید

سورۃ دھر میں سلاسلا اور قواریرا کو تنوین کے ساتھ پڑھنا ہے جو خلافِ قاعدہ ہے اور اہلِ عرب کے استعمالات اور محاورات کے خلاف ہے، کیونکہ ان دونوں غیر منصرف الفاظ پر تنوین جائز نہیں۔ مگر علماء نے سجع یا فاصلہ کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ یعنی متصلاً استعمال ہونے والے کلمات کے آخر میں تناسب کی رعایت کی بنا پر بلاشبہ اسے جائز کہا۔ (النحو الوافی جلد ۴ ص ۲، ۲۷۱)

سلاسلا (بالتنوین)، نافع، کسائی، ابوبکر اور ہشام کی قرأت سے (تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص ۱۴۹ ام اور قواریرا (بالتنوین) ابنِ کثیر کی قرأت ہے۔ (مظہری جلد ۱۰ ص ۱۵۷) یہ دونوں قرآتیں مراعاتِ تناسب کی وجہ سے جائز ہیں۔ متواتر قرأت کی بنا پر ان کے جائز ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

درودِ تاج میں لفظ غریبین بھی بصورت سجع کلماتِ متجاوزہ کے آخر میں تناسب کی رعایت کی بنا پر بلاشبہ جائز ہے، بلکہ النحو الوافی (جلد ۴ ص ۲۷) کے مطابق کلمات کا یہ تناسب سننے والے کی سماعت کو لذت بخشتا ہے اور اس کے کان کو شیرینی فراہم کرتا ہے۔ یہ معنی کو تقویت دینے میں بہت مؤثر ہے۔ کہنے اور سننے والے دونوں کی روح میں ان کلمات کو پیوست کر دیتا ہے۔ انتہیٰ۔

پورا درود تاج اسی نوعیت کا ہے۔ خاص طور پر انہی کلمات کو

ایک مرتبہ اسی خیال سے پڑھیں اور اندازہ فرمائیں کہ مراعاتِ تناسب نے ان کلمات کو کس قدر مؤثر کر دیا ہے۔ محبت اگر ہے، تو آپ یقیناً محسوس کریں گے کہ دل کی گہرائیوں میں یہ کلمات اُترتے چلے جا رہے ہیں۔ سُننے والا مزا لے رہا ہے اور روح کو غذا مل رہی ہے۔ درودِ تاج کے وہ کلماتِ مبارک حسبِ ذیل ہیں۔

سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ
اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ، رَاحَۃِ
الْعَاشِقِیْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ الْعَارِفِیْنَ
سِرَاجِ السَّالِکِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ۔

ازالۂ وہم:۔ اگر اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ آخر کلمات میں رعایتِ تناسب کا حکم (النحوالوافی میں) غیر منصرف سے متعلق ہے اور ہمارے پیشِ نظر لفظ غَرِیْبِیْنَ ہے تو اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ خلافِ قاعدہ اور محاوراتِ اہلِ عرب کے خلاف ہونے میں غیر منصرف پر تنوین داخل کرنا اور بزعمِ فاضلِ مخاطب غَرِیْبٌ کی جمع غَرِیْبِیْنَ لانا دونوں یکساں ہے۔ لہٰذا آخر کلماتِ تناسب کا حکم بھی دونوں کے لئے یکساں ہوگا۔

پھلواری کی غلطی کا اظہار حضرت غزالی قدس سرہٗ مذکورہ بالا وہم کا ازالہ کر کے پھلواری کی ایک اور

غلطی کا اظہار کر کے اس کا رد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد پھلواری صاحب فرماتے ہیں کہ "درودِ تاج میں دونوں جگہ لفظ غریب کا وہ مفہوم لیا گیا ہے جو ہماری اردو زبان میں ہے، یعنی محتاج، بے مایہ" علامہ غزالیٔ زماں قدس سرہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کا یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے۔

درودِ تاج میں اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ اور مُحِبُّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ دونوں جگہ لفظ غَرِیْب سے مراد اجنبی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ اجنبی اور پردیسی کا کوئی انیس (دوست) اور محب نہیں ہوتا۔ جب کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر پردیسی اور اجنبی کے انیس اور محب ہیں۔ چنانچہ انیس الغریبین اور مُحِبُّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ کا یہی مفہوم ہے اور محب اس مفہوم کے لئے واضح مناسبت ہے۔

شاید پھلواری صاحب نے غُرَبَاءِ کے ساتھ فُقَرَاءِ اور مَسَاکِیْنَ کے الفاظ دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ فقراء اور مساکین محتاج ہوتے ہیں۔ اس لئے غرباء سے بھی محتاج لوگ ہی مراد ہیں۔ مگر انہوں نے یہ دیکھا کہ لفظ غرباء، فقراء کا معطوف ہے اور مساکین کا معطوف علیہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں دونوں میں سے کسی ایک جگہ بھی لفظ غریب کا مفہوم، محتاج یا بے مایہ نہیں لیا گیا۔ بلکہ دونوں جگہ اجنبی ہی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

پھلواری صاحب کا یہ اعتراض دراصل اظہارِ دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔

علامہ حافظ احسان الحق (مرحوم) کا جواب

اگرچہ مذکورہ بالا جواب سے بڑھ کر اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا، لیکن اس سے چونکہ صرف اہلِ علم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس لئے عوامی سطح پر حافظ صاحب مرحوم کا جواب آسان ہے۔ فرماتے ہیں کہ اصل بناوٹ کے اعتبار سے لفظ غریب کے معنی پردیسی ہونے کے باوجود نقل کے اعتبار سے محتاج کے معنی میں استعمال ہونا ممنوع نہیں کیونکہ عام طور پر پردیسی محتاج و بے مایہ ہوا کرتا ہے یا ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لفظ غربا لفظ غریب کی جمع تکسیر ہے۔ اور درود تاج میں لفظ غریبین جمع سالم کے جواز نہ ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ عربی زبان میں ہزاروں نام (اسماء) ایسے ہیں جن کی جمع تکسیر و جمع سالم دونوں استعمال ہوتی رہتی ہیں۔

مثلاً لفظ "نبی" کی جمع انبیاء بھی ہے اور "نبیون" بھی ہے۔ پہلی تکسیر ہے دوسری سالم ہے۔ (رضائے مصطفٰے، گوجرانوالہ)

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

یہ صفت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصِ قطعی سے

ثابت ہے، یعنی :۔

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہ"

اس کے تحت علامہ آلوسی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا اس معنی میں ہے کہ آپ' جملہ ممکنات کا ان کی قابلیت کے مطابق' فیضِ الٰہی کا واسطہ (ذریعہ) ہیں اس لئے کہ نُورِ اقدس ہی تخلیق کی جانے والی پہلی چیز ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے" اے جابر! اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی علیہ السلام کا نور پیدا فرمایا ہے"۔

ایک اور حدیث میں ہے :۔

"اللہ تعالیٰ دیتا ہے میں تقسیم کرتا ہوں"۔

اسی طرح رُوح المعانی میں ہے کہ مختار مذہب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام عالمین کے ہر فرد کے لئے رحمت ہیں، وہ ملائک ہوں یا جن۔ اس عمومی رحمت میں مومن و کافر سب برابر ہیں۔ خواہ وہ جن سے ہوں یا انسان، ہر ایک کو ان کے مختلف مراتب کے لحاظ سے رحمت نصیب ہوگی۔

اور فرمایا اکثر صوفیاء کا یہی مذہب ہے کہ عالمین سے مراد تمام مخلوق ہے، اور حضور علیہ السلام ہر ایک کے لئے رحمت ہیں۔ ہاں اُن کی استعداد (قابلیت) پر حصہ ملا۔ لیکن اس میں تو سب مشترک

ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے وجود میں آنے کے باعث ہیں، بلکہ ساری مخلوق آپ کے نُور سے پیدا ہوئی۔

حضرت عبدالغنی نابلسی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی، اور اس کا ذکر بارہا اس کی تفسیر روح المعانی میں ہوا۔ ان کا یہ شعر مشہور ہے۔

ترجمہ :۔ طٰہٰ، نبی علیہ السلام کے نُور سے تمام پیدا ہوئے۔ قطا پرندے کو چھوڑ دو، وہ جہاں تک اُڑ سکتا ہے، چلا جائے، جہاں بھی پہنچے گا وہاں بھی یہی ہو گا کہ وہ نبی علیہ السلام کے نُور سے پیدا ہیں۔

ف :۔ یہ صرف مثال کے طور پر کہا گیا ہے، اس لئے کہ قطا پرندہ تیز اُڑتا ہے اور انتھک ہے۔ اور شاعر نے ”لو ترک القطا“ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تمام مخلوق حضور علیہ السلام کے نُور سے ہے۔

ف :۔ نہ صرف عالمین کے لئے رحمت بلکہ عالمین کے ذرّہ ذرّہ کے نبی اور رسول ہیں، یہاں تک کہ خود رسولوں کے بھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

چنانچہ امام بارزی نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام تمام مخلوقات یہاں تک کہ جمادات (پتھر وغیرہ) کے بھی رسول ہیں۔ ملاحظہ ہو

فتاویٰ حدیثیہ ص۱۳۳ الیواقیت والجواہر الشعرانی جلد۲ ص۴۰-۳۹ اور جواہر البحار جلد۲ ص۴۸ اور والخصائص الکبریٰ السیوطی ج ا ص۴ وجواہر البحار ج۲ ص۱۰۴-۵)۔

امام رازی زیر آیت تلك الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔ فرماتے ہیں:۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے (بھیجے گئے)۔ (جواہر البحار جلد ا ص ۱۴۸/۱۴۹)

نیز امام رازی تحت قولہ تعالیٰ لقد من اللہ علی المومنین۔ فرماتے ہیں:۔ حضور علیہ السلام جملہ عالمین کے رسول ہیں۔ (تفسیر کبیر)

نیز قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انھما (ابراھیم و عیسیٰ) من اُمتی۔ (جواہر البحار، ج ا ص۴۷ الشفاء ج ا ص۶۲

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام میرے اُمتی ہیں۔

حضرت علامہ فاسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق اولین وآخرین کے علی الاطلاق رسول ہیں۔ آپ کی رسالت عام اور دعوت تام میں رحمت شامل ہے۔ جملہ عالمین کو، بلکہ تمام مخلوق کے ہر فرد کو آپ کی مدد پہنچ رہی ہے، خواہ آپ سے پہلے رسول گزرے ہیں اُن کو بھی، وہ

رسالت میں آپ کے نائب تھے اور علی الاطلاق رسول سب کے آپ ہی ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اور شارح بخاری امام قسطلانی رحمتہ اللہ علیہ، مواہب الدنیہ میں، اس کی شرح میں امام زرقانی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ بے شک حضور علیہ السلام ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ اسی کو السبکی نے ترجیح دی ہے، اور بارزمی، وابنِ حزم وسیوطی نے بھی ترجیح دی ہے۔ اور ترجیح کی وجہ قرآن میں ارشادِ خداوندی:۔

"تبارك الذی نزل الفرقان.... الخ" ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آیت میں عبد سے حضور علیہ السلام مُراد ہیں۔ اور عالمین سے ماسویٰ اللہ مُراد ہیں۔ لغت میں ہے کہ تمام مخلوق عالمین میں داخل ہے۔ جس نے کہا کہ العالمین سے بعض مخلوق مراد ہے، یہ قرآن کی تصریح کے خلاف ہے۔ کیونکہ عالمین تو عموماً جملہ مخلوقات کو کہا جاتا ہے۔

تو اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے رسول ہیں۔ اگر اس مدعی سے کہا جائے کہ آیت کے عموم میں ملائکہ بھی داخل ہیں، تو اس پر دلیل قائم ہو سکتی ہے، اور وہ اس کے جواب میں عاجز بھی ہو جائے گا۔

حضرت علامہ فاسی، شیخ ابو عبد اللہ عربی سے نقل کرتے ہیں کہ

(و رسول رب العالمین)۔

شرح دلائل الخیرات میں ہے کہ (و رسول رب العالمین) رسول کی اضافت اس اسم کریم ، یعنی رب العالمین کی طرف میں حضور علیہ السلام کی رسالتِ عامہ کا اشارہ ہے کہ رسول مطلق بلاقید، مرسل الیہ کے، جملہ مخلوق کے رسول ہیں ۔ ہاں، (اگر) مضافِ علیہ کی وجہ سے مقید ہے تو یہ اس کی ربوبیت کے عموم کی وجہ سے ہے ۔ آپ کی رسالت کے عموم کا اشارہ ہے کہ وہ جملہ عالمین کا رب ہے، تو آپ جملہ عالمین کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)، کیونکہ آپ کی رسالت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے تابع ہے۔

اس معنیٰ پر آپ کی رسالت جملہ عالمین کے لئے ثابت ہے ۔ اس لئے امام سبکی نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ملائکہ کے بھی رسول ہیں ۔ انہوں نے آیت مذکورہ یعنی تبارك الذی نزل الفرقان الخ ۔ سے استدلال فرمایا ہے، اس لئے کہ آیت میں عبدہٗ سے حضور علیہ السلام مُراد ہیں اور عالمین ماسوی اللہ کو کہا جاتا ہے ۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی امام محققین کے نزدیک صحیح تر ہے صاحب مواہب الدنیہ نے فرمایا کہ بعض علماء نے کہا کہ اسی پر جملہ اُمت کا اجماع ہے اور بارزی نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام جملہ حیوانات اور حجر و شجر (پتھر اور درخت) کے بھی رسول ہیں ، اور بعض نے کہا کہ جمادات (پتھر وغیرہ) کا رسول ہونا صحیح ہے ۔ بعض محققین

نے اسے صحیح بتایا اور فرمایا کہ (بہ روایتِ مسلم) " ارسلت الی الخلق

کافۃ " کی تصریح سے یہی مذہب (عقیدہ) حق ہے ۔

اور مُلّا علی قاری، مسلم شریف کی حدیث " ارسلت الی الخلق

کافۃ " کے تحت لکھتے ہیں : ای الموجودات باسرہا۔ یعنی تمام

موجودات کے رسول ۔

اس کے علاوہ درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں : (مدارج

النبوۃ ج ۱ صـ ۱۲) جواہر البحار ج ۲ صـ ۲۷ / ۳۷ و صـ ۱۹۴ و صـ ۲۲۸ و صـ ۳۵۲

و ج ۳ صـ ۲۶ ، مرقاۃ ج ۲ صـ ۱۰ میں اس کی خوب تفصیل ہے ۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ، منطق الطیر صـ ۱۶ میں لکھتے ہیں ۔

گشت او مبعوث تا روزِ شمار

از برائے کل خلق روز گار

چوں طفیل نور او آمد امم

سوئے کل مبعوث زاں شد لاجرم

یعنی : آپ تا قیامت رسول مبعوث ہوئے ۔ تمام

مخلوق اور جملہ اُمتیں ، آپ کے نُور کے طفیل آئیں '

اس لئے آپ ان سب کے رسول ہوئے ۔

مزید تفصیل فقیر نے " کتاب نبی الانبیاء " میں لکھ دی ہے ۔

انتباہ : ۔ یہ مسئلہ نہ صرف اقوالِ علماء کرام اور احادیثِ صحیحہ

سے ثابت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ:۔

تبارك الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرًا ہ

ترجمہ :۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرتی ہے۔ تاکہ وہ تمام جہانوں کا ڈرانے والا ہو جائے۔

ف :۔ نذارت (ڈرانے والی صفت) صفتِ نبوت ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ تمام عالموں کے لئے رسول بن کر آئے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ ارسلت الی الخلق کافۃً یعنی: "میں ساری مخلوق کی طرف رسول بن کر آیا ہوں"۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بعثت الی کل احمر واسود۔ یعنی : "میں ہر سُرخ وسیاہ کی طرف بھیجا گیا"۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ :۔ "زمین اور آسمان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں جو یہ نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں" سوائے کافر جنّوں اور (کافر) انسانوں کے۔

چونکہ آپ تمام مخلوق کے لئے مبعوث فرمائے گئے اور کل عالم کے رسول بنائے گئے، اس لئے آپ کی رسالت تمام انبیاء، اولیاء،

ملائکہ، جن وانس، جانور و پرندے، درخت، پتھر وغیرہ، سب کو شامل ہے، اور سب آپ کی رسالت کے دائرہ میں داخل ہیں۔ بقول امام احمد رضا محدث بریلوی ؎

جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی
اِن کا، اُن کا، تمہارا، ہمارا نبی

چونکہ آپ انبیاء کے بھی نبی ہیں، اس لئے اگر ان میں سے کوئی آپ کے زمانے تک رہتا تو آپ پر ایمان لاتا۔ چنانچہ علامہ سید عبد العزیز دباغ مصری فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام (صاحبِ تورات) عیسیٰ علیہ السلام (صاحبِ انجیل) اور داؤد علیہ السلام (صاحبِ زبور) حضور علیہ السلام کے زمانے تک رہتے اور قرآن کو سنتے، تو قرآن پر عمل کرتے اور فعل و عمل میں سرورِ کونین کی پیروی کرتے، اور سب سے پہلے آپ کی دعوت پر لبیک کہتے اور آپ کے آگے آگے کافروں سے جہاد کرتے۔ (ابریز ص ۱۹۰)

راحت العاشقین

درودِ تاج میں اس جملہ پر پھلواری صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"محبت ایک لطیف میلانِ قلب کا نام ہے۔ مگر عشق محض زورِ گندم ہوتا ہے، جس کا سارا تعلق حسن و شباب سے ہے۔ مولانا روم نے صحیح کہا ہے ؎

عشق نہ بود آنکہ در مردم بود
این خمار از خوردنِ گندم بود

لفظ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور نخیف لفظ ہے کہ قرآن واحادیث صحیحہ نے اس لفظ کے استعمال سے مکمل احتراز کیا ہے۔

جواب غزالئ زمان رحمۃ اللہ علیہ

(عشق کا معنیٰ) پھلواری صاحب نے عشق کے معنی "زورِ گندم" بتائے ہیں، جو آج تک کسی نے نہیں بتائے۔ لغت کی کسی کتاب میں لفظ عشق کے یہ معنیٰ کوئی نہ دکھا سکے گا۔ البتہ اس معنی پر انہوں نے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے اس شعر سے ضرور استدلال کیا ہے، جو پھلواری صاحب کے بدحواس ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا رومی تو اس شعر میں فرما رہے ہیں کہ لوگوں میں جو خواہش نفسانی پائی جاتی ہے، وہ عشق نہیں، وہ تو محض گندم کھانے کا خمار ہے۔ پھلواری صاحب نے اسی خمارِ گندم کو عشق قرار دیا، جس کے عشق ہونے کی مولانا روم نفی (انکار) فرما رہے ہیں۔

عشق مولانا رُوم کی نظر میں

مولانا نے مذکورہ بالا شعر میں خمارِ گندم کی مذمت کی ہے۔

مگر درج ذیل اشعار میں عشق کی تعریف فرمائی ہے۔

ے

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد
او ز حرص و عیب کلی پاک شد

ے

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

ے

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

ے

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

یعنی جس کے نفسانی وجود کا لباس عشق سے چاک ہو گیا، وہ حرص اور ہر عیب سے پاک ہو گیا۔ اے ہمارے خوش سودا عشق اور ہماری تمام بیماریوں کے طبیب، تُو خوش رِہ۔ اے ہمارے غرور و تکبّر کی دوا۔ اے ہمارے عشق، تُو ہی ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے۔ مٹی کا جسم عشق سے آسمانوں پر پہنچا۔ پہاڑ رقص میں آکر چُست و چالاک ہو گیا۔

ان اشعار میں مولانا رومی علیہ رحمت نے اپنے عشقِ خوش سودا

کو تمام بیماریوں کا طبیب اور اسی عشق کو اپنے غرور و تکبّر کی دوا، اور عشق کو اپنا افلاطون اور جالینوس فرما کر اس کی تعریف فرمائی ہے۔ پہلے شعر کے ساتھ ان اشعار کو ملا کر پڑھیے، تو مولانا کے کلام کا مفہوم آپ پر واضح ہو جائے گا کہ "زورِ گندم" عشق نہیں، کیوں کہ یہ انسانی خواہشات کو اُبھارتا ہے اور انسان کو طرح طرح کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

مولانا کے نزدیک عشق تو ایک ایسا لطیف جوہر ہے کہ وہ اگر کسی کے نفسانی وجود کا جامہ چاک کر دے، تو وہ حرص اور عیبوں سے پاک ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عشق ہی ہماری تمام قلبی بیماریوں کا طبیب ہے اور غرور و تکبّر کی دوا ہے۔ اسی عشق نے عبدِ خاکی کو آسمانوں تک پہنچایا اور اسی عشق سے پہاڑ رقص میں آیا۔

مختصر یہ کہ مولانا کے نزدیک زورِ گندم عشق نہیں، کیوں کہ یہ قلبی بیماریوں کا سبب ہے اور عشق ان کے نزدیک تمام قلبی بیماریوں کا طبیب ہے۔

محبت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی

حضرت غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں پھلواری صاحب نے "ایک لطیف میلانِ قلب" کا نام محبت رکھا

ہے۔ گویا ان کے نزدیک محبت کا نفسیاتی خواہش، زورِ گندم اور حسن و جوانی سے کوئی تعلق نہیں۔ حالاں کہ اہلِ عرب کے کلام اور محاوروں میں محبت کا لفظ، حسن و جوانی کے تعلق سے نفسانی خواہش اور زورِ گندم کے معنیٰ میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

مثلاً بخاری شریف میں ہے :۔

ترجمہ :۔ غار میں پھنسے ہوئے تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا، میرے چچا کی بیٹی تھی، جس سے میں ایسی محبت کرتا تھا، جیسی شدید ترین محبت مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے۔ لہٰذا میں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی تو اس نے انکار کر دیا۔

(بخاری جلد ا صہ ۳۱۴)۔

حدیث کے الفاظ کی روشنی میں پھلواری صاحب کے اپنے من گھڑت عشق کے معنیٰ اور محبت میں کیا فرق رہا، مولانا رومی کے اشعار میں تو عارفوں کا عشق مذکور تھا۔ جو "راحتہ العاشقین" کے الفاظ سے مُراد ہے۔

اب اہلِ لغت کی طرف آئیے۔ تمام اہلِ لغت نے لفظ عشق کے معنیٰ "فرطِ محبت" کے لکھے ہیں۔ مختار الصحاح صہ ۳۷۴ میں ہے "العشق فرط الحب" اسی طرح لسان العرب جلد ۱۰ صہ ۲۵۱،

تاج العروس جلد ۷ صہ ۱۳ اور قاموس جلد ۳ صہ ۲۶۵ میں ہے۔

جس طرح محبت پاکیزہ بھی ہوتی ہے اور خبیث بھی، اسی طرح عشق بھی پاکیزگی اور خبث دونوں میں پایا جاتا ہے۔ عربی لغات "قاموس" میں ہے۔ ترجمہ: "عشق کا معنی افراطِ محبت ہے، جو پاکدامنی میں ہوتا ہے اور خبث میں بھی۔"

تو معلوم ہوا کہ عشق اور محبت میں شدت اور زیادتی کے سوا کوئی فرق نہیں۔

پھلواری صاحب فرماتے ہیں کہ لفظِ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور بُرا لفظ ہے کہ قرآن اور صحیح حدیثوں نے اس لفظ کے استعمال سے مکمل پرہیز کیا ہے۔ الخ

قرآن و حدیث میں لفظ "عشق" سے مکمل پرہیز کا دعویٰ قابل غور ہے۔ قرآن میں نہ سہی، مگر حدیث میں عشق کے الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً حضرت خطیب بغدادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ جس کو کسی سے عشق ہوا، پھر اس نے چھپایا اور پاک دامن رہتے ہوئے مر گیا، تو وہ شہید ہے۔ (الجامع الصغیر جلد ۲، صہ ۱۱۵ طبع مصر)۔

اگرچہ ان دونوں حدیثوں میں ضعف (کمزوری) کا قول کیا گیا

ہے لیکن اس حدیث کو امام سخاوی نے کئی سندوں سے مقاصد حسنہ
میں لکھا ہے۔ اِن سندوں میں سے کسی پر بحث کی ہے اور کچھ کو برقرار رکھا جن
سندوں کو برقرار رکھا وہ ضعیف نہیں۔ چنانچہ امام سخاوی نے اس حدیث کی
سندوں میں سے ایک سند کے متعلق فرمایا۔ وھوسند صحیحٌ
(یعنی یہ سند صحیح ہے)۔ (مقاصد حسنہ صفحہ ۴۲۰)۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام الرائطی اور دیلمی
وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ بعض محدثین کے نزدیک اس حدیث
کے الفاظ یہ ہیں:

ترجمہ: "جس کو کسی سے عشق ہو گیا، پھر وہ پاک دامن رہا اور اسے
چھپایا اور صبر کیا، تو وہ شہید ہے"۔ اور امام بیہقی نے اسے "طرق متعددہ"
سے روایت کیا۔ (مقاصدِ حسنہ صفحہ ۲۰-۴۱۹ طبع مصر)۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ طرقِ متعددہ سے ضعیف سند کو تقویت حاصل
ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ لفظ عشق حدیث میں وارد ہے۔ اس طرح
قرآن وحدیث میں اس سے مکمل پرہیز کا جو دعوی کیا گیا ہے، وہ صحیح
نہیں ہے۔

اس کے علاوہ پھلواری صاحب کی یہ دلیل کہ لفظ عشق چوں کہ
قرآن وحدیث میں وارد نہیں ہوا، اس لئے وہ نہایت گرا ہوا، گھٹیا اور بُرا
ہے قطعاً درست نہیں۔ بہت سارے فصیح الفاظ ایسے ہیں جو کتاب و

سُنّت میں وارد نہیں ہوئے۔

مثلاً لفظ "ظروف" اور اس کا واحد "ظرف" قرآن میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ نیز "نظم" اور "نسق" جو کہ محاوراتِ عرب میں بہت استعمال ہوتے ہیں اور فصیح ہیں، لیکن اُن میں سے کوئی ایک لفظ قرآن میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ نہ ان دونوں میں سے کوئی لفظ کسی حدیث میں آیا ہے۔

ترمذی شریف میں "نظامِ بال" کے الفاظ وارد ہیں (جلد ۲ صفحہ ۵۹ طبع مصر)۔ اور مسند امام احمد میں ایک جگہ لفظ "منظومات" اور دوسری جگہ "انتظمت" کا لفظ آیا ہے۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۱۹، جلد ۴ صفحہ ۵۲ طبع بیروت۔) لیکن لفظ نظم بالکل اسی طرح آج تک کسی حدیث میں منقول نہیں ہوا۔ اسی طرح ماسقوا بین الحج والعمرۃ کے الفاظ بعض علماء نے حدیث سے نقل کئے ہیں۔ (مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۳۵۲ طبع نولکشور) لیکن لفظ نسق آج تک کسی حدیث سے کسی نے نقل نہیں کیا۔

کیا پھلواری صاحب ان الفاظ کو بھی گھٹیا، گرا ہوا اور بُرا قرار دیں گے؟

پھر یہ کہ لفظ عشق نہ سہی، مگر اس کے معنیٰ (یعنی شدتِ محبت اور فرطِ محبت) جو لغت کی معتبر کتابوں سے ہم نقل کر چکے ہیں، وہ قرآن

وحدیث میں کثرت سے وارد ہیں۔ جیسے الذین امنوا اشد حباللہ
یعنی اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے لئے بہت
زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔ (پ۲ بقرہ)
اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ حتیٰ اکون احب الیہ
یعنی مومن وہی ہے جس کے دل میں سب سے زیادہ میری محبت
ہو۔ (بخاری جلد ۱ ص۷ مسلم جلد ۱ ص ۴۹)۔ شدتِ محبت اور زیادتِ
محبت ہی عشق کے معنیٰ ہیں، جو اس آیت اور اس حدیث میں واردہیں
اللہ اور اس کے رسول کی فرطِ محبت کے معنیٰ میں علماء اور صُلحائے
اُمت نے نظم اور نثر میں اس لفظ کو جتنا استعمال کیا ہے، وہ کسی سے
پوشیدہ نہیں۔ کیا اس کے بعد بھی اسے گِرا ہو، گھٹیا اور بُرا کہنے کا جواز
باقی رہتا ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ لفظِ عشق اصل میں گھٹیا اور گرا ہوا نہیں
ہے۔ نہ بہ قول پھلواری صاحب کے قرآن وحدیث میں اس کا استعمال نہ
ہونا اس کے گھٹیا اور بُرا ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ پھلواری صاحب
جیسی ذہنیت رکھنے والے اگلے پچھلے لوگوں نے اسکے معنیٰ ''زورِ گندم''
سمجھ کر اسے گرے ہوئے گھٹیا معنیٰ میں استعمال کیا، اسی لئے اس
کا استعمال نہ کرنا بُرا قرار پایا۔ سوائے ایسی جگہوں پر استعمال کے جہاں
بُرا یا گھٹیا معنیٰ کا گمان ہی نہ ہو جیسے راحۃ العاشقین۔ یہاں اس

قسم کے گمان کا تو شائبہ تک نہیں جاتا۔

سوال پھلواری انسان کو اپنے والدین سے، بہن بھائی سے، بیٹی اور بیٹے سے کمال درجے کی محبت تو ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی عشق نہ ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

جوابِ کاظمی ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ عشق کے معنیٰ کمالِ درجے کی محبت کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ماں باپ، بہن بھائی کے ساتھ کمال محبت کو عشق اس لئے نہیں کہا جاتا ہے اور نہ ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ پھلواری صاحب جیسی ذہنیت والوں نے گندم کے خمار کا نام عشق رکھ دیا ہے، جس کا تصور بھی والدین اور بہن بھائی کے متعلق نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سوال پھلواری :- محبت کو بقا ہوتی ہے۔ عشق فانی ہے۔ انتہیٰ

جواب کاظمی :- درست فرمایا۔ زورِ گندم یقیناً فانی ہے، مگر وہ عشق نہیں۔ عشق تو کمالِ محبت کا نام ہے۔

سوال پھلواری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معشوق کہنا انتہا بد تمیزی ہے۔ پس جب حضور علیہ السلام معشوق نہیں، تو راحتہ العاشقین کس طرح ہو سکتے ہیں۔

جوابِ کاظمی بجا فرمایا۔ کوئی بھی صاحب ہوش و حواس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کہے گا تو یقیناً بدتمیز کہلائے گا۔ مگر صاحبِ درودِ تاج سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ لفظ نہیں کہا۔ اس مقام پر پھلواری صاحب کا یہ کہنا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معشوق نہیں، تو راحتہ العاشقین کیسے ہو سکتے ہیں؟ کتنا مضحکہ خیز رویہ ہے۔ پھلواری صاحب حکم اور اطلاق کا فرق بھی نہیں سمجھ سکے۔ عشق کے معنی کمالِ محبت کے اعتبار سے العاشقین کے معنی المحبین کاملین ہیں، جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ اکمل ہیں۔ محبوب اکمل اپنے محبِّ کامل کی راحت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ درودِ تاج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر محبوبِ اکمل ہونے کا حکم ہے، لفظ معشوق کا اطلاق نہیں۔

صاحبِ درودِ تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راحتہ العاشقین کہا ہے، معشوق نہیں کہا۔ پھلواری صاحب کا ان پر یہ الزام کہ انہوں نے راحتہ العاشقین کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معشوق کہہ دیا، اگر حضور علیہ السلام معشوق نہیں تو راحتہ العاشقین کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو "خالق کل شیء" کہنے والے پر یہ الزام لگا دیا جائے کہ معاذ اللہ اس نے اللہ تعالیٰ کو خالق الخنازیر

(سوّروں کو پیدا کرنے والا) کہہ کر اللہ کی شان میں گستاخی کی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ خالق الخنازیر نہیں تو خالق کل شیء کیسے ہوسکتا ہے ؟

جس طرح یہ الزام قطعاً غلط اور بیہودہ ہے، اسی طرح راحتہ العاشقین کہنے کی بنیاد پر درودِ تاج کے مؤلف پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو معشوق کہنے کا الزام بھی غلط، بیہودہ اور بے معنی ہے۔

راحتہ العاشقین پر اعتراض کا خمیازہ

اگر پھلواری صاحب ''راحتہ العاشقین'' کے الفاظ سے یہ الزام لگاتے ہیں کہ درود تاج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو معشوق کہا گیا ہے، تو وہ اپنے اوپر بھی اس الزام کو قبول کرلیں کہ انہوں نے ماں، بہن اور بیٹی کو محبوبہ کہا ہے۔ جب کہ ماں، بہن اور بیٹی کو اس کے بیٹے، بھائی اور باپ کی محبوبہ کہنا انتہائی معیوب ہے۔ ہم ابھی پھلواری صاحب کا کلام نقل کرچکے ہیں کہ انسان کو اپنے والدین بھائی بہن سے، بیٹی بیٹے سے کمال درجہ کی محبت ہوتی ہے۔ پھلواری صاحب نے یہ کہہ کر ماں بہن اور بیٹی کو محبوبہ کہہ دیا، کیونکہ اگر وہ محبوبہ نہیں، تو ان کے ساتھ کمال درجہ کی محبت کیسے ہوسکتی ہے۔

اگر پھلواری صاحب اپنے اوپر یہ الزام قبول کرنے کو تیار نہیں، تو درود تاج کے مؤلف پر یہ الزام رکھنا سراسر ناانصافی نہیں تو کیا ہے؟

علامہ حافظ احسان الحق رحمتہ اللہ علیہ

اگرچہ غزالیٔ زماں کے اس جملہ (راحتہ العاشقین) کی تحقیق کے بعد کسی اور کی تحقیق کی ضرورت نہیں، لیکن یہ احسان فراموشی ہوگی اگر حضرت علامہ حافظ احسان الحق رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق کو تحریر میں نہ لایا جائے۔ اس لئے کہ انہوں نے غزالیٔ زماں رحمتہ اللہ علیہ سے بہت پہلے جعفر پھلواری کو ایسا نقد جواب لکھا کہ جس کے بعد پھلواری کو اس کے جواب کی تاب نہ رہی حالانکہ حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے رد کے بعد وہ بڑے عرصہ تک زندہ رہا۔

علامہ حافظ صاحب کی تقریر

حافظ صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اس جگہ عشق اُس قلبی لگاؤ کا نام ہے جو محبوبِ کریم علیہ السلام کی کمالِ فرماں برداری کو اور آپ کے آل و اصحاب کی مکمل غلامی کو آسان تر بنا دے اور آپ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھنے والی ہر چیز پیاری لگنے لگے۔ اس قلبی لگاؤ کا سبب گندم کھانا اور پیٹ بھرنا نہیں، بلکہ ایمان لانا و تسلیم کرنا ہے، کیونکہ

ع عشقِ بُتاں نہیں ہے یہ عشقِ رسُول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

اسی بنا پر اس لازوال دولت سے وہ بے جان چیزیں بھی

نوازی گئیں جو گندم نہیں کھاتیں۔

حدیث شریف میں ہے:۔

ترجمہ:۔ اُحد پہاڑ ہے، وہ ہم سے محبت کرتا ہے،

ہم اس سے محبت فرماتے ہیں۔ (بخاری)

جب حضور علیہ السلام کے لئے منبر بنا اور خطبہ جمعہ کے لئے اس پر جلوہ فرمایا کرتے تو خشک لکڑی کا وہ ستون جس کے ساتھ آپ تکیہ لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، (آپ کے وصال کے بعد) آپ کے فراق (جُدائی) میں بے قرار ہو کر رو پڑا۔

سوال میں ذکر کردہ شعر کا مطلب وہ نہیں جسے اعتراض کرنے والے نے سمجھا بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو فقیر نے عرض کیا۔ کچھ مردوں کو گندم کھانے سے جو طاقت حاصل ہوتی ہے، اس کا نام عشق نہیں، وہ تو ایک خمار ہے جو ایسے مردوں کو حسن و جوانی کا متوالا بنا دیتا ہے۔ اگر طاقت جاتی رہی اور حسن و جوانی ختم ہو جائے، تو خمار بھی اُتر جاتا ہے۔ مگر سچا عشق ایسا نہیں۔ اس کی وجہ ایمانی کمال ہے، اور ایمان اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ رہتا ہے۔ اسی طرح عشق بھی سدا بہار پھول کی طرح عاشق کے دل و دماغ کو ہمیشہ مہکاتا رہتا ہے اور اس کی ہر جگہ، یعنی دنیا میں، قبر میں، حشر میں مشکل کشائی فرماتا رہتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمت نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھُٹے سستے

جو آگ بُجھائے گی، وہ آگ لگائی ہے

اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق کی تعریف میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔ اس کے بعد حافظ صاحب مرحوم نے وہی اشعار لکھے جو غزالی زماں کی تحریریں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحب مرحوم نے جعفر پھلواری کو نقد جواب مختصر اور ایسا جامع لکھا کہ اس کے بعد پھلواری اور اس کی جماعت دیو بند کی زبان ایسی بند ہوگئی کہ جیسے ع

مُنہ میں زبان نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

مراد المشتاقین صلی اللہ علیہ وسلم

نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشتاقوں کی مُراد ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ؎

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام ‏ ‏ لِلّٰہ الحمد کہ میں دُنیا سے مسلمان گیا

یہ کیفیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ وہ کس طرح حضور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مُراد سمجھتے تھے۔

حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام مجلسِ نبوی میں اسی طرح ادب و خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھتے تھے، جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ نہ صرف مجلس کا ادب بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملہ میں ادب کے ساتھ جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے اور آپ کے ذکر و

فکر سے مجلس و محفل کو سجائے رکھتے تھے، یہ سلسلہ آپ کی ظاہری حیاتِ مُبارکہ میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی رہا۔

ظاہری زندگی کا حال امام زرقانی نے کتاب تنویر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں اپنے اہل و عیال اور قوم کے چند افراد کو جمع کر کے ان کے سامنے حضور کی ولادتِ پاک کے بارے میں بیان فرما رہے تھے کہ اچانک سرورِ دو جہاں تشریف لے آئے اور ان کا حال دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا: ''میری شفاعت تم پر حلال (یعنی لازم) ہوگئی۔

کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حضور کے ذکر کی مجلسیں منعقد کر کے اپنی بخشش کا سامان کرتے ہیں۔ اس کے فائدے کے بارے میں حضرت شاہ محدّث دہلوی کتاب ''ماثبت من السنہ'' میں فرماتے ہیں کہ ''میلاد شریف کے برکات کا تجربہ ہوا ہے کہ اسی سال کے آخر تک میلاد والوں کو امان اور تمام مقاصد اور مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے''۔

اور کتاب ''اشعۃ اللمعات'' میں لکھتے ہیں ''یہاں میلاد والوں کو بشارت ہے کہ میلاد میں خوشیاں کرتے اور مال خرچ کرتے ہیں''۔

ف: یہ ابولہب کے واقعہ کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال فرمایا ہے۔

شمس العارفین صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف عارف باللہ کے سورج ہیں۔ بلکہ تمام عالم کے جملہ عارفین باللہ کے سرتاج انبیاء علیہم السلام ہیں اور آپ ان کے شمس یعنی سورج ہیں۔

حضرت امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

”اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم، آپ بزرگی و فضل کے سورج ہیں۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام ستارے ہیں۔ آپ کے انوار کو وہ ستارے اپنے اپنے دور کی تاریکیوں میں اپنے سورج کے انوار ظاہر کرتے رہے۔“

سراج السالکین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم راہِ ہدایت کے سالکوں کے چراغ ہیں۔ نہ صرف سالکین بلکہ سارے عالم کے آپ چراغ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”سراجاً منیراً“ کا لقب دیا ہے۔

صاحب روح البیان فرماتے ہیں: ”دوسرے چراغ ہواؤں کے جھونکوں سے بجھ جاتے ہیں، لیکن یہ وہ چراغ ہیں کہ انہیں کوئی شے بجھا سکتی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ”چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، اللہ تعالیٰ اپنا نور مکمل کرے گا چاہے کافر اس سے نفرت کریں۔“

مثنوی شریف میں ہے

ترجمہ :۔ جو خدا کی جلائی ہوئی شمع کو پھونکتا ہے، تو اس کی پھونک سے یہ شمع کب بجھ سکتی ہے۔

کُتے کی رال سے دریا پلید (ناپاک) نہیں ہوتا
نہ کسی کی تھوک سے سورج کا نور بجھ سکتا ہے۔

دوسرے چراغ وہ ہیں جو صرف رات کو روشنی دے سکتے ہیں، لیکن آپ وہ چراغ ہیں کہ دنیاوی راتوں کے اندھیروں کو نورِ دعوت سے روشن فرمایا اور آخرت کے دن شفاعت کے عکس سے روشن اور منور ہوں گے۔

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں۔ ؎

ترجمہ :۔ دنیا میں ان کا چہرہ پاک روشنی دینے والا ہے، ہماری اندھیری رات ان کی نظرِ کرم سے روشن ہوگی۔ کل پھر قیامت میں جب چراغ روشن فرمائیں گے، تو اس سے گناہگاروں کے گناہ جل جائیں گے۔

<u>نکتہ</u> :۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو بھی چراغ کہا اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چراغ کہا۔ لیکن ان دونوں کی کیفیت یہ ہے کہ سورج آسمان کا چراغ ہے اور آپ زمین کے لئے۔ وہ دنیا کے لئے چراغ ہے اور آپ دین کے۔ وہ آسمان کی منزلوں کا چراغ ہے اور آپ ملائکہ کی محفلوں کے۔ وہ پانی و مٹی کا

چراغ ہے اور آپ جان و دل کے۔ اِس سے لوگ نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور آپ سے انسان عدم کے خواب سے اٹھ کر وجود میں آئے۔

ف:۔ مشائخ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام مُلکِ عدم سے تشریف لائے، تو آدم علیہ السلام کے چراغ بنے، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان سے پہلے آپ کا نُور ہے۔

ف:۔ بعض علماء نے فرمایا کہ سراج سے سُورج اور مُنیر سے چاند مُراد ہے۔ آپ دونوں صفات کے مالک ہیں، جس کا اشارہ اس آیت میں ہے۔

ترجمہ:۔ وہ ذات بابرکت ہے جس نے آسمان میں بُرجیں بنائیں اور بنایا ان میں چراغ اور چاند روشنی دینے والا"

ہم نے سورج کو چاند پر اس لئے گمان کیا ہے کہ بہ نسبت چراغ اور چاند کا نُور زیادہ اور مکمل ہے۔

نکتہ:۔ سُورج، چاند اور ستارے اپنے مرکز سے منتقل نہیں ہو سکتے بہ خلاف چراغ کے کہ اسے جہاں چاہے لے جاؤ۔ اسی لئے آپ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور قیامت میں صرف آپ کی ذاتِ مبارکہ کام دے گی۔

مصباح المقربین صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شمعِ فروزاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور کو مصباح سے تمثیل دی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ترجمہ :۔ اللہ نُور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اُس کے نُور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس گویا ایک ایک ستارہ ہے۔ موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے، برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھّم کا۔ قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اُٹھے اگرچہ اُسے آگ نہ چھُوئے نُور پر نُور ہے۔ اللہ اپنے نُور کی راہ بتاتا ہے، جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

اس کی تفسیر میں صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ "خزائن العرفان" میں لکھتے ہیں کہ : ایک قول یہ ہے کہ نُور کی یہ مثال سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے فرمایا کہ اس آیت کے معنی بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی، روشن دان (طاق) تو حضور کا سینہ شریف اور فانوس قلبِ مُبارک اور

چراغِ نبوت جو کہ شجرِ نبوت سے روشن ہے۔ اس نورِ محمدی کی روشنی اس مرتبۂ کمال پر ظاہر ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے نبی ہونے کا بھی بیان نہ فرمائیں تب بھی خلقِ خدا پر ظاہر ہو جائے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ روشن دان تو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک ہے اور فانوس قلبِ اطہر اور چراغ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا، جو کہ نہ شرقی ہے نہ غربی، نہ یہودی ہے نہ نصرانی، یہ ایک شجرِ مبارک سے روشن ہے۔ وہ شجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ نورِ قلبِ ابراہیم پر نورِ محمدی، نور پر نور ہے۔

اور محمد بن کعب قرضی نے کہا کہ روشن دان اور فانوس تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اور چراغ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور شجرِ مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں کہ اکثر انبیاء آپ کی نسل سے ہیں۔ اور شرقی و غربی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی کیونکہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور نصاریٰ مشرق کی طرف۔ قریب ہیں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خوبیاں اور کمالات وحی کے نازل ہونے سے پہلے ہی ظاہر ہو جائیں۔ نور پر نور یہ کہ نبی ہیں نسل نبی سے۔ نورِ محمدی ہے نورِ ابراہیم پر۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت اقوال ہیں۔ (خازن)

محب الفقراء والغرباء والمساکین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم فقراء محتاجوں اور مسکینوں سے محبت و شفقت فرماتے تھے۔ اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "شفقتِ مصطفٰے برِ خلق خدا" کا مطالعہ کیجیئے۔ یہاں چند نمونے عرض کرتا ہوں :۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ آپ کی صفت بیان فرماتا ہے "پس تو کیسی رحمتِ الٰہی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ تم ان کے لئے نرم دل ہوئے"۔ یعنی آپ کے مزاج مُبارک میں اتنا لطف و کرم ہے کہ کبھی کسی پر شدّت نہیں فرمائی۔

انتباہ:۔ حضور نبیٔ پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی پر بلا حکم شرعی ناراض نہ ہوئے، بلکہ ہر ممکن اس کی دلجوئی فرمائی، اور ہو سکا تو اس کی خدمت کی اور دوسروں کو بھی خدمتِ خلق اور ادائیگی حقوق پر زور دیا۔ نہ صرف انسانوں کے لئے بلکہ حیوانوں تک کے لیے بھی آپ کی یہی کیفیت رہی۔

جناب ابو طالب نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا :۔ ترجمہ :۔ یہ صاحبزادہ سفید چہرے والا ہے، جس کے چہرے کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ یہ یتیموں کی پناہ گاہ ہے۔ اور غریبوں مسکینوں اور بیواؤں کا سہارا ہے۔

ہلاکت و تکلیف میں اس کی پناہ لی جاتی ہے۔ اور آلِ ہاشم اس کی وجہ سے ہی نعمت میں ہیں۔ اور یہ فضیلت وشرافت والے ہیں۔

واقعہ حضور ابھی بارہ برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کی اور اللہ تعالیٰ نے بارش برسادی۔

ف :۔ اس واقعہ کو ابنِ عساکر نے عرفطہ کی روایت سے یُوں نقل کیا ہے :۔

ترجمہ :۔ میں مکہ میں آیا تو اہلِ مکہ قحط میں مبتلا تھے۔ قریش نے کہا : اے ابو طالب ! جنگل قحط زدہ ہو گیا اور ہمارے بیوی بچّے قحط میں مبتلا ہیں۔ آ۔ اور بارش کے لئے دُعا کر۔ ابو طالب نکلا اور اس کے ساتھ ایک لڑکا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ جیسے سیاہ بادل کا سوُرج تھا جس سے سیاہ بادل دُور ہو گیا ہو۔ پھر ابو طالب نے بچّے کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے چسپاں کر دی۔ پس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُنگلی مبارک آسمان کی طرف کی۔ اگرچہ اس وقت آسمان پر بادل نہ تھا، لیکن آپ کے اشارہ سے ہر طرف بادل اُمڈ آئے اور ایسے خوب برسے کہ وادیاں بہہ پڑیں۔ اور جنگلات گلی کوُچے سرسبز شاداب ہو گئے۔ اس پر ابو طالب نے ایک قصیدہ کہا کہ یہ بچہ سفید چہرے والا وہ ہے جس کے چہرے کے وسیلہ سے

بارش طلب کی جاتی ہے۔ یہ یتیموں کی پناہ گاہ ہے اور غریبوں و مسکینوں (عورت و مرد) کا سہارا ہے۔ اس سے ہلاکت و تکالیف کی وجہ سے پناہ لی جاتی ہے اور آلِ ہاشم اس کی وجہ سے نعمت میں ہیں۔ اور فضیلت و شرافت رکھتے ہیں۔

دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف کہ ابھی آپ بچے ہیں، لیکن بادلوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ پھر آپ کی وجہ سے کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوئیں۔

فقیر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت کی روایات پیش کرتا ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ کیا ہم اس طریق کریمہ پر پورے اُتر رہے ہیں یا ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیوں کہ ہم اپنے نبیؐ رحمت اللعالمین کی عادات پر اپنے آپ کو نہیں ڈھالتے، آئیے ہم سب مل کر تہیہ کریں کہ ہم بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے، جو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ چند واقعات سن لیجئے۔

اندھی پر شفقت

ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بازار جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک اندھی عورت ٹھوکر کھا کر گر پڑی ہے اور بازار کے لوگ اس کی ہنسی اُڑا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالت دیکھ کر رونے

لگے اور بازار والوں سے فرمایا۔ "یہ اندھی عورت تمہاری قوم کی ہے، تمہارے شہر کی ہے۔ پھر جو تم اس کی ہنسی اڑاتے ہو تو گویا خود اپنی ہنسی اڑاتے ہو۔ اگر یہ عورت غیر قوم کی ہوتی، تب بھی اندھی عورت کی مدد تم پر لازم تھی۔ آؤ اور اس عورت کو اٹھاؤ اور اس کو گھر تک پہنچاؤ"۔

بازار والے آپ کی یہ بات سن کر بہت زور سے ہنسے اور کہا: "تم کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے، تو جاؤ تم ہی اس کو اٹھاؤ اور گھر پہنچاؤ۔ ہم رسول نہیں ہیں۔ ہنسی کی بات ہوگی، تو ہم ضرور ہنسیں گے"۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار والوں کی بات سنی، تو پھر ان سے کچھ نہ کہا۔ اور خود اس اندھی عورت کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اس کو سہارا دے کر اٹھایا، اس سے گھر کا پتہ پوچھا اور پھر فرمایا: چل میں تیرے ساتھ تیرے گھر تک چلوں گا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کے اس کے گھر لے گئے۔ اور پوچھا، کیا تیرا کوئی وارث بھی ہے یا نہیں عورت نے کہا: "میں لاوارث ہوں۔ امیروں کے گھروں میں جا کر روٹی مانگ لاتی ہوں"۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب میں صبح شام اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا تجھ کو پہنچا دیا کروں گا۔ تو گھر میں بیٹھی رہ، باہر نہ نکل"۔ عورت نے پوچھا: "تم کون ہو اور مجھ سے ہمدردی کیوں کرتے ہو؟" آپ نے جواب دیا: "میرا نام محمد ہے اور مجھے خدا نے بے کس غریبوں

کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے"۔

اس عورت نے رو کر کہا" میں نے تمہارا نام سُنا تھا اور لوگ تمہاری ہنسی اڑایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم بڑا بننے کے لئے خدا کے رسول بنتے ہو ، مگر آج معلوم ہوا کہ تم سچے رسول ہو ، میں تم پر ایمان لاتی ہوں"۔

مزدور بی بی

ایک دن رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں جا رہے تھے ، دیکھا کہ ایک مزدور عورت لکڑیاں سر پر رکھے جا رہی ہے اور بازار والے اس کی ہنسی اڑا رہے ہیں آپ نے بازار والوں کو سمجھایا اور فرمایا کہ تم کو مزدور عورت کی مدد کرنی چاہیئے۔ اس کو ستانا اور اس کی ہنسی اڑانا بہت بُری بات ہے"۔ بازار والے بولے" اگر تم رسول ہو تو جاؤ اپنے ماننے والوں سے بات کرو ، ہمارے کام میں دخل نہ دو"۔

انتباہ :۔ یہ کیفیت نہ صرف ان کی تھی ، بلکہ آج ہم اس سے بھی دو قدم آگے ہیں۔

عورت کو زیادہ نہ مارو

ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں جا رہے تھے تو دیکھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو مار رہا ہے اور آس پاس بہت سے لوگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ آپ مارنے والے مرد کے پاس گئے اور فرمایا ، عورت

کو نہ مار اور بازار میں اُس کو رُسوا نہ کر۔ تُو بہادر قوم کا آدمی ہے اور بہادر لوگ عورتوں کو نہیں مارتے، نہ اُن کو رُسوا کرتے ہیں"۔

اس مرد نے جواب دیا: "میں توبہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ مگر تم خدا کا رسول بننے کا دعویٰ کرتے ہو، تو اس عورت کو بھی سمجھاؤ کہ یہ میرا کہا مانے اور میری اجازت کے بغیر کہیں باہر نہ جائے"۔

مرد کی یہ بات سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو وصیّت کی کہ "بیوی کو اپنے شوہر کی تابعداری کرنی چاہیئے اور تم اپنے خاوند کی مرضی کے بغیر نہ جانا"۔

اس عورت نے جواب دیا: "میں آپ کا حکم مانوں گی، اگرچہ میں آپ کو رسول نہیں مانتی تھی، مگر آج جو نصیحت آپ نے میرے شوہر کو کی، اس کا اثر یہ ہوا کہ میں اقرار کرتی ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔

غُلام غلام بن گیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لونڈی غلاموں سے بہت ہمدردی تھی۔ آپ اپنے گھر کے لونڈی غلاموں سے بھی اولاد کا برتاؤ کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے ایک گھر میں ایک غلام کو دیکھا کہ چکّی سے آٹا پیس رہا ہے اور رو رہا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیوں روتا ہے، تو غلام نے جواب دیا کہ: "میں بہت بیمار ہوں، چکّی مجھ سے نہیں چل سکتی، مگر آقا

کے ظلم کے سبب آٹا پیسنا پڑتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: "تم ہٹ جاؤ، میں تمہارا آٹا پیس دیتا ہوں۔" غلام نے کہا" آپ کون ہیں اور یہ ہمدردی کیوں کرتے ہیں؟" رسولِ خدا نے جواب دیا۔" میں خدا کا غلام ہوں اور مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ بیماروں کی مدد کروں۔" یہ کہہ کر آپ نے غلام کی چکّی چلانا شروع کی اور آٹا پیس دیا، پھر فرمایا:" میرا نام محمد ہے، تجھے پھر کبھی ضرورت ہو تو مجھے بلا لینا، میں تیرا آٹا پیس دُوں گا۔"

غلام نے کہا کہ" میں نے سُنا ہے کہ تم خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، کیا تم وہی محمد ہو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا" ہاں میں وہی محمد ہوں۔" یہ سن کر غلام نے فوراً کلمہ پڑھا اور کہا کہ میں بھی تم کو رسول مانتا ہوں۔"

دیکھا آپ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفقت نے بے گانے غلام کو اسلام کا غلام بے داغ بنا دیا۔

غلام کی گواہی

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ مکرمہ حضرت خدیجہ بہت دولت مند تھیں اور ان کے پاس بہت سے لونڈی اور غلام تھے، جن میں ایک عیسائی غلام بھی تھا۔ ایک دن اس عیسائی غلام نے رسُول خدا سے کہا۔" میں دوسرے ملک کا رہنے والا ہوں اور مجھے اپنا ملک یاد آتا ہے۔ آپ اپنے مُلک

کے لونڈی غلاموں کی مدد کرتے ہیں تو میری بھی مدد کیجئے، اور مجھے اپنی بیوی سے سفارش کرا کے آزاد کرا دیجئے۔ تاکہ میں اپنے ملک چلا جاؤں۔ مگر میں عیسائی ہوں اور آپ کو رسول نہیں مانتا اور نہ ہی رسول ماننا چاہتا ہوں۔" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر ہنسے اور غلام سے فرمایا: "میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتا ہوں، اور اُن کی عزت کرتا ہوں، اس لیئے اپنی بیوی سے تیری سفارش کروں گا، تُو چاہے مجھ کو رسُول مان یا نہ مان۔"

اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غلام کی سفارش کی اور حضرت خدیجہ نے فوراً عیسائی غلام کو آزاد کر دیا اور اس کو ملک جانے کا خرچہ بھی دے دیا۔ وہ غلام یہ کہتا ہوا اپنے ملک چلا گیا کہ آپ تو سچ مچ رسول ہی معلوم ہوتے ہیں۔

شفقت ہو تو ایسی ہو

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن ابو سفیان کا غلام بیمار تھا۔ حضور نے سُنا کہ اس غلام کو ابو سفیان نے گھر میں اکیلے ڈال دیا ہے اور کوئی اس کی تیمار داری نہیں کرتا۔ یہ سُن کر حضور خود اس کے پاس رات کو پہنچے اور اس کا سر دبانے لگے۔ غلام نے پوچھا تو کون ہے، درد تو میری ٹانگوں میں ہے اور تو میرا سر دباتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ میں تیرے شہر کا رہنے والا ہوں۔ یہ کہہ

کر اس کے پاؤں دبانے لگے۔ اور صبح تک دباتے رہے۔ صبح وہاں سے آنے لگے تو فرمایا۔ "میرا نام مُحمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ پھر کبھی ضرورت ہو تو مجھے بلا لینا"۔ غلام نے کہا "تم خدا کے رسول ہو، مجھ غلام کے پاؤں دبا کر بڑا احسان کیا"۔

بظاہر تو یہ ایک خفیف (معمولی) سا کام ہے، لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے بڑے کام سر انجام دیئے۔

بوڑھا غلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک بوڑھا غلام باغ میں پانی دینے کے لئے کنویں سے پانی نکالتا ہے تو اس کے ہاتھ کانپتے ہیں، آپ اس کے پاس گئے اور فرمایا "لا ڈول مجھے دے، میں باغ کو پانی دُوں گا، تُو کچھ دیر بیٹھ کر آرام کر لے"۔ اس کے بعد حضور نے پانی کھینچ کھینچ کر سارے باغ کو سیراب کر دیا اور غلام سے فرمایا۔ "میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور سامنے والے گھر میں رہتا ہوں، پانی دینے کے وقت مجھے بُلا لیا کرو"۔ غلام نے کہا "میرا آقا مجھ سے خفا ہو گا"۔ حضور نے فرمایا "مگر میرا آقا مجھ سے خوش ہو گا کہ میں تجھ بوڑھے غلام کی مدد کروں"۔ غلام نے پوچھا تمہارا آقا کون ہے؟ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرا آقا آسمان و زمین کا مالک خدا ہے"۔

غلام نے عرض کیا "اپنے آقا سے یہ کہو کہ وہ مجھے اپنا غلام بنا

لے اور اس ظالم آقا کی قید سے مجھے نجات دلادے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" میرا آقا یہ نہیں چاہتا کہ لوگ نکمے ہو کر بیٹھ جائیں اس لئے تم جتنا کام کر سکتے ہو کرو، اور جو کام تم سے نہ ہو سکے اس کیلئے مجھے بُلا لیا کرو"۔

بوڑھے غلام نے کہا۔" بڑھاپے اور بیماری کے سبب اب مجھ سے کچھ کام نہیں ہو سکتا"۔ حضور نے جواب دیا۔" تجھے میں ایک آسان کام بتاتا ہوں، وہ یہ کہ بُت خانہ میں جاکر لوگوں سے کہا کر کہ ایک خدا کو مانو، بُت پرستی چھوڑ دو۔ تو جب یہ کام کرے گا، تو خُدا تیرے بدن میں نئی طاقت پیدا کر دے گا"۔

کنیز کے لئے سفارش

بنی اُمیہ کا ایک امیر اپنی لونڈی کو مار رہا تھا اور وہ لونڈی" فریاد فریاد" پُکار رہی تھی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سُنی تو اس امیر کے گھر میں گئے اور اس سے فرمایا۔" عورت کو مارنا امیر کی شان کے خلاف ہے"۔ امیر نے جواب دیا۔" جاؤ جاؤ تم کو میرے گھریلو معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ حضور نے فرمایا۔" ہم تم دونوں عرب ہیں اور عرب۔ عورتوں کو مارنا بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں تم کو یاد دلاتا ہوں کہ عرب بہادر کیلئے عورت پر ہاتھ اٹھانا بہت بُری بات ہے"۔ یہ سُن کر اس امیر نے وعدہ کیا کہ میں آئندہ کسی عورت کو نہیں ماروں گا اور اس کے بعد کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

یتیم کی مدد

ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں ایک بچّے کو دیکھا کہ سر پر بھاری بوجھ رکھے جا رہا ہے، اور بوجھ کی وجہ سے بچّے کی گردن جُھکی ہوئی ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بچّے کو روکا اور فرمایا "لا اپنا بوجھ مجھ کو دے دو میں تیرے گھر تک پہنچا دوں گا"۔ بچّے نے آپ کو اپنا بوجھ دے دیا اور آپ نے وہ بوجھ اپنے کندھے پر رکھا اور بچّے کے ساتھ اس کے گھر تک گئے۔ راستے میں پوچھا "تیرا باپ کیا کام کرتا ہے"؟ بچّے نے جواب دیا "میرا باپ ایک برس ہوا مر گیا ہے۔ میری ماں کے پاس میرے سوا کوئی لڑکا نہیں ہے۔ اس لئے مجھے یہ بوجھ اٹھانا پڑتا ہے"۔

حضور نے فرمایا "تُو میرے پاس آجایا کر، میں تیرا بوجھ گھر پہنچا دیا کروں گا"۔ بچّے نے کہا "میری ماں بہت غریب ہے، وہ تم کو مزدوری نہیں دے سکتی"۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "مجھے میرا خدا مزدوری دے دے گا۔ تُو اس کی فکر نہ کر"۔ بچّے نے کہا۔ خدا سے دُعا کرو کہ وہ میرے باپ کو زندہ کر دے"۔

بیمار غلام کی مدد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ایک یہودی امیر کا غلام بہت بیمار ہے اور کوئی اس کی خبر نہیں لیتا۔ آپ رات کے وقت اس غلام کے گھر گئے۔

اور اس کو آواز دی "کیا میں اندر آجاؤں"؟ غلام نے خیال کیا کہ شاید میرے آقا یہودی نے کسی کو میری مدد کے لئے بھیجا ہے، اس لئے اس نے آپ کو اندر بُلا لیا۔ اور پوچھا کہ کیا میرے مالک نے تم کو بھیجا ہے"؟ حضور نے فرمایا "ہاں تیرے مالک کے حکم سے میں یہاں آیا ہوں"۔ غلام نے کہا "تُو آ، بیٹھ جا اور میرا سر دبا اور پاؤں دبا"۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بیٹھ گئے اور ساری رات بیمار غلام کی خدمت کرتے رہے، صبح جب واپس آنے لگے تو غلام نے نام اور پتہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا "میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور میں تیرے گھر کے قریب رہتا ہوں"۔ غلام نے پوچھا "کیا تو وہ محمد ہے جو رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے"؟

آپ نے فرمایا "ہاں میں وہی محمد ہوں"۔ غلام نے کہا "میرا آقا تیرا دشمن ہے تو کسی کو نہ بتانا کہ تو میرے پاس رات کو آیا تھا۔ ورنہ میرا آقا مجھ سے بدگمان ہو جائے گا"۔ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تُو فکر نہ کر، میں کسی سے یہ ذکر نہیں کروں گا"۔

مسافر محتاج کی مدد

ابو جہل نے ایک مسافر محتاج کا قرض دینا تھا۔ اس نے اہلِ مکّہ کو کہا، مگر سب نے ابو جہل کو کچھ کہنے سے انکار کر دیا۔ حضور علیہ السلام کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مذاق اڑانے کی خاطر اہلِ مکّہ نے اس سے

کہا کہ یہ نوجوان ابو جہل کو منوا سکتا ہے۔ وہ غریب حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس کے ساتھ چلے۔ ابو جہل کا دروازہ کھٹکھٹایا، وہ باہر آیا۔ حضور علیہ السلام نے غریب مسافر کے قرض کی ادائیگی کے لئے فرمایا تو وہ فوراً اندر جا کر قرض کی رقم لے آیا۔

یتیم پروری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یتیم بچے کو دیکھا، جو ننگے پاؤں، ننگے سر روتا ہوا جا رہا تھا آپ بے قرار ہو گئے اور اس بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے ماں باپ مر گئے ہیں اور دو دن سے بھوکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے اپنے گھر لے گئے اور کئی دن تک اسے اپنے گھر میں رکھا۔ اس کے بعد بچے کے رشتے دار اس کو لے گئے۔

اسی شفقت کی برکت تھی کہ بچے اپنے ماں باپ کو بھول جاتے جیسے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہو جانا انہی عاداتِ کریمانہ سے ہوا۔ چنانچہ وہ مدینہ طیبہ میں پہلی بار حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بے حد احترام تھا، اُسے دیکھ کر حضرت عدی بہت مرعوب ہوئے۔ اسی دوران مدینہ کی ایک مسکین عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تنہائی میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں،" آپ نے فرمایا۔

"ہاں! مدینہ کی جس گلی میں چاہو، میں وہاں چل کر تمہاری بات سُننے کو تیار ہوں"۔

پھر آپ اس کے ساتھ تھوڑی دور جا کر کافی دیر تک اس کی بات سُنتے رہے اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ حضرت عدی نے انسان دوستی کا یہ مظاہرہ دیکھا، تو اُن پر اس کا بے حد اثر ہوا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

ف:۔ یہ تھا آپ کی شفقت کا اثر کہ حاتم طائی کا بیٹا آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہو کر دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے۔

سیّد الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جنّوں اور انسانوں کے سردار اور امام ہیں اِس کی تفصیل سابقہ اوراق میں آ گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف انسانوں کے بلکہ جنّوں کے بھی نبی ہیں، بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو جنّوں کا آسمان کے قریب جانا ہی بند کر دیا گیا تھا، اور جو جاتا تھا اس کو شعلے مارے جاتے تھے۔ جس کی خود جنّوں نے خبر دی تھی۔ بُتوں کے اندر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارتیں سُنی جانے لگی تھیں، اور جوق در جوق جنّوں کی جماعتیں آپ کی

خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو رہی تھیں۔ لیکن میں یہ بتلاؤں کہ ان میں سے جس نے سرکشی پر کمر باندھی، اُس کا کیا حشر ہوا؟

جب حضرت خالد بن ولید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عزّیٰ بُت کی عمارت کو ڈھایا، تو وہاں ایک کالی عورت ننگی، بال پریشان، سر پر ہاتھ رکھے ہوئے چیختی ہوئی نکلی۔ حضرت خالد نے تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور جب حضور کی خدمت شریف میں آکر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "عزّیٰ یہی تھی، جسے تم نے قتل کیا اب اس کی پوجا نہ ہوگی۔"

علماء فرماتے ہیں کہ عزّیٰ ایک یا تین درخت تھے، جن میں سے آوازیں آتی تھیں، جس کی وجہ سے اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ وہ آوازیں اسی خبیثہ کی تھی اور وہ شیاطین کے قبیلہ سے تھی۔

مکّہ مکرمہ میں ایک پہاڑ ہے جس کو جبل ابو قبیس کہتے ہیں۔ ایک دفعہ اس پہاڑ پر کسی خبیث جن نے چلّانا شروع کیا اور چند شعر اسلام کے خلاف پڑھے۔ کچھ اشعار کا مضمون یوں تھا۔

"مسلمانوں کو جلد مار ڈالو، بُت پرستی ہرگز نہ چھوڑنا"۔

اس کو سُن کر کفّار بڑے خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہنے لگے۔

"لو سُن لو، غیب سے بھی تمہارے قتل اور شہر بدر کرنے کا حکم ہو رہا ہے"۔ مسلمانوں کو اس سے بڑا رنج پہنچا اور خدمتِ اقدس میں آکر

یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا "تم بے فکر رہو، یہ آواز کرنے والا ایک شیطان ہے جس کا نام مسعر ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو اس کی سزا دینے والا ہے"۔

چنانچہ اس کے تیسرے ہی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بشارت دی ایک جن جس کا نام ہم نے عبداللہ رکھا ہے اس نے مجھ سے مسعر کو قتل کرنے کی اجازت مانگی ہے اور ہم نے اس کی اجازت دے دی ہے۔ آج شام کو مسعر مارا جائے گا"۔

مُسلمان خوش ہوئے اور منتظر رہے۔ شام کو اُسی مقام سے بلند آواز میں شعر سُنائی دیئے۔ جن کا مضمون یہ تھا "ہم نے مسعر کو مار ڈالا کیونکہ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ حق سے نفرت کی، اور لوگوں کو باطل پر جمنے کی ترغیب دی۔ اس لئے ہم نے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا"۔

صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جنّوں کے حاضر ہونے کے عجیب و غریب واقعات بیان کئے ہیں۔ میں کہاں تک ان کو دہرا سکتا ہوں۔

نبی الحرمین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حرم (یعنی مکہ و مدینہ) کے نبی ہیں، بلکہ تمام کائنات کے نبی ہیں، جیساکہ سابقہ اوراق میں عرض کیا گیا۔

امام القبلتین صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم دونوں قبلوں (یعنی کعبہ اور بیت المقدس) کے امام ہیں۔ کعبہ کی امامت تو واضح ہے۔ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کو شبِ معراج میں امام بن کر نماز پڑھائی، یا مدینہ ہجرت کے چند ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھائی۔ پھر آپ کا خیال ہوا کہ کعبہ کی طرف مُنہ کرنے کی اجازت ہو جائے۔ چنانچہ عین نماز کے دوران اجازت ہوئی۔ آیت نازل ہوئی۔

فلنولینك قبلة ترضاها

حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل ہی دل میں خیال فرما کر اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے تھے، نماز کے لئے ان کا مُنہ کعبہ کی طرف پھیرا جائے، کیونکہ وہ آپ کے دادا جان سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور اقدام القبلتین ہے۔ اس کے علاوہ اہلِ عرب کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے زیادہ مُؤثر ثابت ہوگا، کیونکہ وہ اس قبلہ پر فخر کرتے اور اپنی پناہ گاہ مانتے تھے۔ اس کی زیارت کے لئے بار بار حاضر ہوتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ اس سے یہودیوں کی مخالفت بھی مطلوب تھی، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) ایک طرف تو ہماری مخالفت پر تُلے ہوئے ہیں اور اِدھر وہ ہمارے

قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں ۔ اگر ہم نہ ہوتے تو انہیں معلوم نہ ہوتا کہ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے ۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا نہیں چاہتے تھے ۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے میرا رُخ پھیر کر کسی دوسرے قبلہ کی طرف متوجہ فرمادے"۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا" میں آپ کی طرح اللہ کا بندہ ہوں، آپ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت ہے۔ آپ خود ہی اپنے رب سے عرض کیجئے"۔ یہ کہہ کر جبریل علیہ السلام آسمان کی طرف چلے اور حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف آنکھیں لگادیں، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام کوئی نیا پیغام لائیں۔ اس پر جبریل علیہ السلام مذکورہ بالا آیت لائے۔

فائدہ: قرآنی احکام میں سب سے پہلا ناسخ ومنسوخ (منسوخ کرنے والا اور جس کو منسوخ کیا گیا) یہی حکم ہے، پچاس نمازوں سے پانچ ہوئیں۔ پھر تحویلِ قبلہ کا نسخ (منسوخی) ہوا کہ کعبۃ اللہ سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور یہ نسخ مکہ معظمہ میں ہوا۔ اس سے مشرکین کی آزمائش مطلوب تھی۔ یہ بھی اس کے بعد جب کہ نمازی کو حکم ہوا تھا کہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھے جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا:۔

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ۔

اس کے بعد پھر بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف مُنہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہوا اور وہ بھی مدینہ طیبہ ہیں۔ اس سے یہود کا امتحان مقصود تھا۔ اس سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہو گیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے، تو آپ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس طرح رُخ فرماتے کہ کعبہ آپ کے درمیان ہوتا اور قبلہ بیت المقدس ہوتا۔ آپ اسی حال پر قائم رہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس کے بعد مسجد حرام کی طرف رُخ پھیرنے کا حکم ہوا۔

دوسری جماعت کا خیال یہ ہے کہ مکہ میں ہی بیت المقدس قبلہ بنا دیا گیا تھا۔ اور اس کی طرف آپ تین سال تک نمازیں پڑھتے رہے۔ اور مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے سترہ مہینے کے بعد کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابیہ کے ہاں تشریف فرما تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ حضور نے اُن صحابہ کرام کے ساتھ جو اُس وقت وہاں موجود تھے، نماز شروع فرما دی۔ ایک

روایت میں ہے کہ اسی جگہ بنی سلمہ کی ایک مسجد بنی ہوئی تھی، آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ دوسری رکعت کے رکوع میں تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی۔ آپ اسی وقت کعبۃ اللہ کی طرف پھر گئے، اور جو صفیں آپ کے پیچھے تھیں وہ بھی پھر گئیں۔ اور اس طرح آپ نے نماز کو پورا کیا۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کی وحی خارج نماز (نماز سے باہر) نازل ہوئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ نمازِ ظہر تھی، جس میں تحویلِ قبلہ کی وحی اُتری تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد شریف میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ لیکن پہلا قول زیادہ ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ سب سے پہلی نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی جانب پڑھی، وہ نماز عصر تھی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ مدینہ منوّرہ کے مغرب میں وادی عقیق اور بیر رومہ کے قریب ایک مسجد ہے جسے ''مسجد القبلتین'' کہتے ہیں۔ اہلِ تاریخ بیان کرتے ہیں کہ تحویلِ قبلہ اسی جگہ واقع ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ گھر اس صحابیہ کا ہوگا جہاں تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ بیت المقدس اور کعبہ معظمہ کی سمت ایک دوسرے کے مقابل واقع ہیں۔

چنانچہ اگر بیت المقدس کی طرف رُخ کریں تو کعبہ معظمہ کی طرف

پشت ہوتی ہے۔ اور اگر کعبہ معظمہ کی جانب رُخ کریں، تو بیت المقدس کی طرف پُشت ہوتی ہے۔ جب تحویلِ کعبہ کا حکم نازل ہوا، تو کچھ یہود ومنافقین کے دل میں شک اور کھوٹ پیدا ہوا۔ اس پر وحی نازل ہوئی کہ:

"مشرق ومغرب اللہ ہی کے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے"۔

وسیلتنا فی الدارین صلی اللہ علیہ وسلم

دونوں جہانوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے وسیلہ ہیں۔ آخرت میں آپ شفاعت کر کے ہمارے وسیلہ ہوں گے اور دُنیا میں بھی سب کا وسیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہمارا عدم سے وجود میں آنے کا بھی وسیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیساکہ "لولاک" والی حدیث سے ثابت ہے۔ (حدیثِ لولاک کے بارے میں فقیر کا رسالہ شرح حدیث لولاک پڑھیئے)۔

حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ ہر نبی کے

لئے ہر زمانہ میں وسیلہ بنے۔ حضرت عارف قدس سرہ نے لکھا ہے۔

اگر نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق بخبیا

یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام حضور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ نہ لاتے، تو نہ اُن کی توبہ قبول ہوتی، نہ نوح علیہ السلام کشتی کے غرق سے نجات پاتے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:۔

۱۔ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو ان کی کنیت ابو محمد رکھی۔ منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خاص قسم کی لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے دُعا کی:۔ "اے رب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے میری اس لغزش کو معاف فرمادے"۔ حق تعالیٰ نے فرمایا "تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہاں سے جانا؟" حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اس زمانہ سے جب تُو نے مجھے پیدا فرمایا تھا، اس وقت میری نظر عرش اور جنّت کے دروازوں پر پڑی تو وہاں لکھا دیکھا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

تو میں نے جان لیا کہ ضرور تیرے نزدیک ساری مخلوق سے بزرگ تر یہی ذاتِ کریمہ ہوگی، جس کا نام تُو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔

اس پر ندا آئی کہ: "یہ نبیٔ آخر الزماں ہیں، جو تمہاری ذریت یعنی اولاد سے ہیں۔ ان کا اسمِ گرامی آسمان میں احمد اور زمین میں محمد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں آسمان و زمین کو نہ پیدا کرتا۔ اے آدم میں نے تمہیں انہی کے صدقے پیدا فرمایا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے حبیب! اگر میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خلیل بنایا ہے، تو تمہیں حبیب بنایا ہے اور میں نے اپنے نزدیک تم سے زیادہ برگزیدہ کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا، اور میں نے دُنیا و جہان کو اسی لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ جان لیں کہ میرے نزدیک تمہاری کتنی قدر و مرتبت ہے۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

۲۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے نُورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آدم کی پیشانی میں رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اُن کی پُشت (پیٹھ) میں رکھا، جو اُن کی پیشانی میں چمکتا تھا پھر اس نے تمام اعضاء میں سرائیت کی اور حق تعالیٰ نے اس نُور کی برکت سے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام تعلیم فرمائے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں دو قول ہیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ "اذ قال ربك للملائكة" (یعنی جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا)۔

ملائکہ سے مراد ابلیس اور اس کے ساتھ فرشتوں کا وہ لشکر ہے جو

زمین پر تھے وہی سجدہ کرنے کے لئے مقرر ہوئے تھے۔ علماء کی ایک اور جماعت کہتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ملائکہ اور جنّوں کو پیدا فرمایا، تو فرشتوں کو آسمان میں رکھا اور جنات کو زمین میں ٹھہرایا۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک جنّ زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ظلم و بغاوت کی بنیاد ڈالی، تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ایک لشکر کو اُن کی ہلاکت و خاتمہ کے لئے زمین پر بھیجا۔ ان کو آنکھوں سے اوجھل و پوشیدہ ہونے کی بناء پر جنّ کہا جانے لگا یا اس بنا پر کہ وہ فرشتے جنّات پر نگہبان مقرر کئے تھے۔ علماء کی یہ جماعت ابلیس کو ملائکہ کی قسم خیال کرتی ہے۔ یہ جو قرآن پاک میں "وکان من الجن" (یعنی جو جنات میں سے تھا)۔ آیا ہے، اس کے یہی معنیٰ مراد لیتے ہیں، اور اس گروہِ ملائکہ میں ابلیس پیشوا، مرشد اور زیادہ عالم تھا۔ پھر وہ جنات، جن کے تصرف میں زمین تھی، وہاں سے انہیں نکال کر پہاڑوں، جزیروں اور دریاؤں میں ڈال دیا گیا۔ اور فرشتوں کی اس قسم کو، جن کا نام جنّ تھا، اس کو زمین میں ٹھہرا دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ نے تمام روئے زمین، آسمانِ دُنیا اور جنت کی نگہبانی ابلیس کو دے دی۔ ابلیس کبھی زمین میں عبادت کرتا، کبھی آسمان میں اور کبھی جنّت میں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے ملائکہ کو، جن کا سردار ابلیس تھا حکم فرمایا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا جیسا کہ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں کے حوالہ سے "روضۃ الاحباب" میں ذکر گیا گیا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے حکم سجدہ میں آسمان اور زمین کے تمام فرشتے مقرر و مخاطب تھے۔ یہ قول نظم قرآن کے زیادہ موافق ہے۔ یاد رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سجدہ بھی حضور علیہ السلام کے نُور کے وسیلہ سے تھا۔ جیسا کہ امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر ۳ رکوع اوّل میں لکھا ہے۔

۳۔ صاحب مواہب الدنیہ، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا: "سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، ان کے بعد میکائیل نے، اُن کے بعد اسرافیل نے، اُن کے بعد عزرائیل نے، اور اُن کے بعد مقرب ملائکہ نے سجدے کئے۔" اور پھر فرمایا۔ "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون۔" یعنی آخر میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔"

۴۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل فرمایا گیا، تو انہوں نے اپنے جنسی ساتھی کی خواہش ظاہر کی جس سے محبت کریں اور ذکرِ حق میں باطنی سکون و قرار حاصل کریں۔ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نیند

میں مبتلا کر دیا اور اس حالتِ خوابیدگی میں اُن کی بائیں پسلی نکال کر اُس سے سیّدہ حوّا کو پیدا فرما دیا۔ اُن کا نام "حوّا" اس بنا پر رکھا گیا کہ وہ "حی" یعنی زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے حوّا کو دیکھا، تو اپنے دونوں ہاتھ اُن کی طرف بڑھائے۔ اس پر فرشتوں نے کہا "ٹھہریئے، تاکہ نکاح ہو جائے اور آپ ان کا مہر ادا کر دیں"۔

حضرت آدم نے پوچھا "مہر کیا ہے"؟ فرشتوں نے کہا۔ "تین مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج دو مہر ادا ہو جائے گا"۔ ایک روایت میں بیس مرتبہ بھیجنے کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوّا سے فرمایا۔ اس خدائی اعزاز پر ابلیس حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کرنے لگا۔

۵۔ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے، تو اپنے کئے پر بہت پشیمان ہوئے اور طرح طرح کی مشقتیں جھیلیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے، تو تین سو سال تک سر جھکائے ندامت کے آنسو بہاتے رہے۔ اور آسمان کی جانب سر نہ اٹھایا۔

مسعودی فرماتے ہیں کہ اگر تمام روئے زمین کے رہنے والے کے آنسو جمع کئے جائیں، تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں کے

مقابلہ میں کم ہی نکلیں گے۔

۶۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے عود، رطب، زنجبیل (سونٹھ) صندل اور طرح طرح کی خوشبوئیں پیدا فرمائیں۔ اور حضرت حوّا کے آنسوؤں سے لونگ و جائفل وغیرہ پیدا فرمائیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ کلمات الہام فرمائے، جن کے ذریعہ ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق وہ کلمات یہ ہیں:۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا

لنکونن من الخاسرین۔

(یعنی اے ہمارے رب، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب اگر تو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے، تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔)

۷۔ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں اور بھی کلماتِ استغفار لکھے ہیں اور بعض مفسرین نے الہام کردہ کلمات کی تفسیر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل (سفارش) اور آپ کے ذریعہ سے شفاعت کی طلب سے کی، تو توبہ قبول ہوگئی۔ یہ دیگر دعاؤں کی مخالف نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہی توبہ و استغفار کی گئی تھی۔

صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبِ قابَ قوسین

اس کی تشریح سابق اوراق میں ہو چکی:

دیدارِ الٰہی قابَ قوسین سے مراد (حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا) قربِ خداوندی ہے، جس طرح دنیٰ فتدلّٰی سے مراد قربِ محبوب کا اظہار ہے۔ اس کے علاوہ اس میں راز بھی تھا کہ قاب کا معنیٰ مقدار اور قوس کمان کو کہتے ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ جب دو سردار آپس میں معاہدہ کرتے تو اپنی دو کمانوں کو ملا کر ایک تیر پھینکتے، جو اس امر کا ثبوت تھا کہ ایک دوسرے سے یکجہتی ہوئی۔ گویا ۔

تو نہ مجھ سے الگ میں نہ تجھ سے جدا
تجھ سے جو مل گیا وہ ہے مجھ سے ملا
اور جو تجھ سے گیا وہی مجھ سے گیا
بس یہی فیصلہ آج کی رات ہے

یہی تمام اہلسنت کا مذہب ہے۔ معتزلہ اور بعض صحابہ نے شبِ معراج میں دیدارِ الٰہی کا انکار کیا۔ اس کے جوابات فقیر نے ''معراج المصطفیٰ'' میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن دورِ حاضر کے منکرین معتزلہ کے مذہب کو زندہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ تو کیا ہوا

مسئلہ کی حقیقت ان کی غلط روی سے چھپ نہ سکے گی۔

چند حوالے یہاں عرض کرتا ہوں، تاکہ مسئلہ زیادہ واضح ہو شرح عقائد النسفی، نیز اس شرح فقہ اکبر محدث کبیر ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، معراج کی رات میں ایک ایسے شخص سے گزرا جو عرش کے نور میں ڈوبا ہوا تھا (زرقانی جلد ۶ ص ۱۰۱)۔

عرش معلی پر تشریف لے گئے، کیونکہ کسی چیز سے گزر تب ہوتا ہے جب کہ اُسے پہلے پایا جائے، بعد میں اس سے گزرا جاتا ہے۔ گویا اس سے عرش پر جلوہ گر ہونا اور اس سے آگے جانا ثابت ہوتا ہے۔

جب حضور علیہ السلام عرش پر پہنچے، تو عرشِ الٰہی نے آپ کے دامن کو پکڑ لیا۔ (مواہب الدنیہ جلد ۲ ص ۳۴)۔

حضرت جبریل امین کا آپ سے مختلف ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ آسمانوں پر اپنے جسم اقدس کے ہمراہ تشریف لے گئے ہیں، ورنہ جبریل کا مختلف ہونا بے معنی سا ہو جاتا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے ربِ قدوس کا قرب حاصل ہونا معراجِ جسمانی کی ہی تائید ہے۔ اسی طرح آپ کا عرش کے نور میں ڈوبے ہوئے انسان کو دیکھنا اور عرشِ اعظم کا آپ کا دامن پکڑنا قطعی طور

پر ثابت کرتا ہے کہ معراج کی رات میں آپ کا جسم روح سے جُدا نہیں تھا۔ بلکہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے قول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علامہ سید محمود الوی بغدادی نے سورۃ نجم کی تفسیر میں نجم سے مراد نبیؐ پاک اور ھویٰ سے مراد شبِ معراج میں آپ کا آسمانوں کی طرف چڑھنا ہے۔ اسی طرح ھویٰ سے مراد آپ کا چڑھنا اور لامکاں تک پہنچنا ہے۔

اہلِ سُنّت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرش کے اُس مقامِ عالی سے بھی آگے تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ آپ میں اور جنابِ احدیت (ربِ تعالیٰ) میں دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

تب پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب کو علم ملک الموت اور اسرار جبروت ولاہوت سے آگاہ فرمایا۔

روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ اعظم سے آگے بڑھے اور وحشت طاری ہوئی، تو پروردگارِ عالم نے اپنا دستِ قدرت آپ کے کندھوں کے درمیان رکھا۔ اس کے رکھتے ہی آپ پر علم اوّلین وآخرین ظاہر ہو گئے۔ پھر جب آپ مقامِ جلال وہیبت میں پہنچے اور خوف آپ کے دل پر غالب ہوا، تو اچانک ایک قطرہ

عرش عظیم سے آپ کے حلق میں ٹپکا۔ اُسے نوش فرمانے سے تمام اگلے پچھلوں کا علم آپ کو حاصل ہو گیا۔ (روح البیان)

عرش سے ماوریٰ

اس کے بارے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سورۃ والنجم کے "والنجم اذا ھَویٰ"، میں لفظ نجم سے جنس نجم مراد ہے، اور اس کے ہویٰ سے اس کا طلوع یا غروب مراد ہے۔ بعض کے نزدیک نجم سے شعریٰ یا ثریّا (سات ستاروں کا جھرمٹ) مراد ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک نجم سے حضور علیہ السلام پر قرآن کریم کا بالنجم (یعنی قسط وار) نازل ہونا ہے اور اس کا ھویٰ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا نازل ہونا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نجم سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس مُراد ہے، اور آپ کا ھویٰ معراج کی رات میں آپ کا آسمان سے نزول ہے۔ اس قول سے آپ کا معراجِ آسمانی ثابت ہوا۔

محبوبِ ربُّ المشرقین والمغربین صلی اللہ علیہ وسلم

پھلواری صاحب کو اس جملہ پر بھی اعتراض ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ محبوب کا لفظ نعتیہ لحاظ سے تو غلط نہیں، لیکن آنحضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے یہ لفظ میری نظر سے نہیں گزرا۔ صحابۂ کرام خلیلی یا حبیبی تو کہتے تھے، لیکن محبوبی یا معشوقی کبھی نہیں کہا۔ اس کے جواب میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھلواری صاحب کے آخری جملہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب کہنا اور معشوق کہنا دونوں کا حکم ایک ہے۔ لفظ معشوق کے بارے میں تو ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ لفظ کہنا انتہائی بدتمیزی ہے۔ سوائے کسی بے حواس کے، کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معشوق نہیں کہہ سکتا۔ لیکن لفظ محبوب کو بھی اس کے ساتھ ملا دینا انتہائی جسارت ہے۔ کیا پھلواری صاحب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء (تعریف) میں کوئی ایسا لفظ جائز نہیں، جو صحابہ کرام نے نہ کہا ہو؛ اس سلسلہ میں حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے بطور قاعدہ لکھا کہ :۔

عدم ورود دلیل جواز نہیں

اگر واقعی وہ یہ سمجھتے ہیں، تو بڑی غلطی میں مبتلا ہیں۔ شروع دور کے اور اس کے بعد کے ادوار کے علماء و صلحاء اُمّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثناء میں بے شمار ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو صحابۂ کرام سے ثابت نہیں مثلاً "وسیلتی"، "محسنِ اعظم"، "امام الانبیاء" ان پر آج تک کسی نے انکار نہیں کیا اور وہ بلاشبہ جائز ہیں۔ ہاں،

البتہ، ایسا کوئی لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہ ہو، کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

پھلواری صاحب کے آخری جملے سے کچھ ایسا بھی محسوس ہوتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے محبوب ہونے کا تصور اُن کے لئے معاذ اللہ روحانی عذاب ہے۔

صدق استاذ الاساتذہ الکاظمی رحمۃ اللہ علیہ

اگر مذکورہ بالا قاعدہ سمجھ میں آجائے، تو اکثر مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔ اہل سُنّت کا مذکورہ تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں صاف آیتہ و حدیث موجود نہ ہو تو "اصل الاشیاء الاباحتہ" (یعنی چیزوں کی اصل ان کا جواز ہے)۔ اسی لئے جائز ہے کہ عدم ورود (یعنی وارد نہ ہونے کے باوجود) اس پر عمل کیا جائے۔ جیسے ہم بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ مخالفین بھی عمل کرتے ہیں، لیکن مانتے نہیں۔ یہاں فقیر چند مثالیں عرض کرتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی دو کتابیں یعنی "اصل الاشیاء الاباحتہ" اور "بدعت ہی بدعت"۔

ایمان

کون نہیں جانتا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ لیکن علماء کرام نے اس کی بھی تقسیم

کر ڈالی ہے۔ چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ ایمان دو قسم کا ہے۔ یعنی ایمان مجمل اور ایمان مفصل۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں نام بدعت ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں یہ تقسیم نہیں تھی۔

کلمہ شریف

کلمۂ پاک جو ہمارے مسلمان ہونے کی بنیادی نشانی ہے، اُسے بھی بدعت نے معاف نہیں کیا۔ مثلاً اُسے چھ کلموں پہ تقسیم کر ڈالا۔ پہلے کلمے کا نام کلمۂ طیب، دوسرے کا کلمۂ شہادت، تیسرے کا تمجید، چوتھے کا توحید، پانچویں کا استغفار اور چھٹے کا ردِّ کفر و شرک۔

انصاف سے کہئے کہ یہ چھ کلمے کس زمانہ کی پیداوار ہیں۔ جب کہ اسلام کے شروع کے ادوار میں ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔

نماز

اسلام کا سب سے بڑا رکن نماز ہے۔ اس میں بھی کئی بدعات گھس آئیں۔ ان میں ایک زبانی نیت ہے جو نماز کا ایک رکن ہے۔ اسے ہم سب ادا کرتے ہیں۔ مثلاً نیت کی میں نے نماز کی وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی بدعت ہے۔

"فتح القدیر شرح ہدایہ" میں ہے کہ زبان سے نیت کہنے کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح نہیں ملتا۔ نہ حدیثِ صحیح میں اور نہ حدیثِ ضعیف میں۔ نہ اس کا ثبوت صحابہ کرام یا تابعین میں سے کسی سے نہیں پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو بس یہ منقول ہے کہ جب

نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی۔ پس نیتِ زبانی بدعت ہے۔ (عین الہدایہ ج ا ص ۲۲۴۔ کتاب الصلوٰۃ)۔ اور عشاء کی دو سُنّتوں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا بدعت ہے۔

جد الحَسن و الحُسین صلی اللہ علیہ وسلم

اس جملہ پر بھی پھلواری صاحب کو اعتراض ہے۔ وہ لکھتا ہے:

رسمِ دُنیا کے مطابق چھوٹا اپنے بڑوں کے لئے باعثِ فخر صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ مجموعی حیثیت سے یا کسی خاص امتیازی کارنامہ میں اپنے بزرگوں سے آگے نکل جائے، یا کم از کم اُن کے برابر ہو جائے، یا کسی ایسی خوبی کا مالک ہو جائے جو اس کے بڑوں کو حاصل نہ ہوا ہو۔ نواسۂ رسُول ہونا حضرات حسنین کے لئے باعثِ فخر ہو سکتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے حضرات حسنین کا نانا ہونا قطعاً کوئی شرف نہیں۔

مہاجرین اور انصار کے مناقب (تعریف و خوبیاں) اور فضائل سے پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ یہی حضرات سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہو سکتے تھے۔ ان سب کو نظر انداز کر کے کسی ایسے کو باعثِ فخر بنانا جو نہ مہاجر ہے نہ انصار، یقیناً ایک ایسی مبالغہ آرائی کرنے والی ذہنیت کی خبر دیتا ہے، جس کا اہلِ سُنّت سے

کوئی تعلق نہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ دغابازوں نے نواسۂ رسول کو قتل کر دیا، لیکن آپ نے کبھی یہ سُنا کہ کفار نے (حضرت) ابوبکر کے داماد کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ (حضرت) عثمان کے خسر کو بے وطن کر دیا۔ (حضرت) علی بن العاص کے نانا کے قتل کی سازش کی، یا (حضرات) حسنین کے جد سے جنگ کی۔ (حضرت) معاویہ کے بہنوئی کو زخمی کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ کیوں؟ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی طرف سے نسبت ہونا ہر ایک کے لئے شرف کا باعث ہے لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے کسی طرف منسوب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہرگز شرف کا باعث نہیں۔ ہمارے آپ کے لئے امکان موجود ہیں کہ اللہ کریم اپنے فضل سے ایسا درجہ عطا فرما دے جو ہمارے آپ کے ماں باپ دونوں کے اجداد سے بلند تر ہے اور اُن کے لئے باعثِ فخر ہو۔ لیکن کسی انسان کے بارے میں یہ گمان کرنا بھی کفر ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ اُمتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند تر درجے پر فائز ہو سکتا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی خاص معاملے میں جنابِ حسنین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر ہیں، تو ہزاروں افراد ایسے بھی ہیں، جن کو سینکڑوں معاملات میں جنابِ حسنین پر برتری حاصل ہے۔

جوابات از غزالی زماں قدس سرہ

آپ نے پھلواری صاحب کے جواب میں لکھا کہ پھلواری صاحب نے رسم دنیا کا سہارا لے کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ دین کے کسی گوشے میں انہیں پناہ نہیں ملی۔ ذرا دین کے میدان میں آئیے۔ ہم آپ کو بتادیں گے کہ کسی کا باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو لازم نہیں بناتا کہ جس شخص کو باعثِ فخر کیا جائے، وہ فخر کرنے والے سے افضل یا اس کے برابر ہو۔ دیکھئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا۔

"میں تمہارے باعثِ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام پر فخر کروں گا"۔ (مسندِ احمد جلد ۳ صفحہ ۲۴۵ طبع بیروت)۔

اور ترمذی میں ہے "میں تمہارے باعث فخر کروں گا"۔ (ترمذی جلد ی ۱ صفحہ ۳ طبع دہلی)۔

اور ابو داؤد میں ہے "بیشک میں تمہارے سبب فخر کروں گا"۔ (ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۸۰ طبع اصح المطالعہ کراچی)۔ یہی الفاظ نسائی میں بھی ہیں (جلد ۲ صفحہ ۵۹ طبع دہلی)۔ اور مسند میں ایک دوسری جگہ آیا ہے "میں تمہاری وجہ سے فخر کروں گا"۔ (صفحہ ۳۵۱ جلد ۴ طبع بیروت)۔

اور ابنِ ماجہ میں ہے: "۔ اور بے شک میں تمہارے باعث دوسری اُمّتوں پر فخر کروں گا۔" (ابنِ ماجہ جلد ۲ صہ ۲۹۱ طبع اصح المطالعہ۔ کراچی)۔

کتبِ احادیث میں مذکورہ بالا روایات، الفاظ کے کچھ ردو بدل سے مختلف صحابۂ کرام سے براہِ راست (مرفوعًا) وارد ہیں۔ ان قطعی دلیلوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہے۔ حضرات حسنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔ صرف صحابی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اہل بیت ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے کسی ایک فرد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہونا بھی ممکن نہیں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قطعی طور پر ساری مخلوقات میں افضل ہیں۔

اس لئے ثابت ہوا کہ حضرات حسنین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ معاذ اللہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہوں۔ پھلواری صاحب کی غلط فہمی یہ ہے کہ انہوں نے حضرات حسنین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے ان کے افضل ہونے کو لازم سمجھ لیا، جو کہ قطعاً غلط ہے، دیکھئے حدیث شریف میں آیا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُے میرے صحابیو! بے شک اللہ جل شانہٗ تمہارے باعث ملائکہ پر فخر فرماتا ہے"۔

یہ حدیث مسلم شریف جلد ۲ صہ ۳۴۶ طبع المطالعہ کراچی، اور مسندِ امام احمد جلد ۲ صہ ۱۸۶ (طبع بیروت) پر آیا ہے۔ نسائی اور ابنِ ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کی ہے۔

پھلواری صاحب، کیا آپ یہاں بھی معاذ اللہ اس استلزم کو تسلیم کریں گے؟ ذرا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ حضور کی اُمّت پر اللہ تعالیٰ کا فخر فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی اعلیٰ شان کی دلیل ہے۔ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ کو یہ فضل و شرف عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے باعث ملائکہ پر فخر فرماتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضراتِ حسنین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی اُمّت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فیض اور نسبت کی وجہ سے ہے۔ اگر اُمّت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہوتی، یا حضراتِ حسنین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہونے کی نسبت حاصل نہ ہوتی اور وہ آپ کے فیض سے محروم

ہوتے، تو ان میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ فخر نہ ہو سکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ درحقیقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہے اور آپ کی ہر فضیلت اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کی دلیل ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں جد الحسن والحسین کے الفاظ محض لقب اور تعریف کے لئے استعمال ہوئے ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قولِ مبارک ہے کہ "انا ابن عبد المطلب" (صحیح بخاری ص۶۱۷ جلد ۲، صحیح مسلم ص۱۰۰ جلد ۲)

"جد الحسن والحسین" ہوں یا "ابنِ عبد المطلب" ہوں" کے نوری کلمات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فضل و شرف حاصل کرنے کے معنی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس کے علاوہ پھلواری نے حضراتِ حسنین کے تمام فضائل و مناقب کو نظر انداز کر کے ان کے مہاجر و انصار نہ ہونے کا جس انداز سے ذکر کیا ہے، وہ خود اہلِ بیت پاک کے حق میں ان کی متعصبانہ ذہنیت کو ظاہر کر رہا ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ پھلواری ہو یا کوئی اور وہابی، اس گروہ کو اہلِ بیتِ کرام سے بغض و عداوت ہے۔ جسے یہ کھل کر بیان کرنے سے شرماتے ہیں یا کوئی مصلحت

ان کو درپیش ہے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب (معجزہ) ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں پہلے اس قسم کے خارجیوں کی نشاندہی فرمائی۔ فقیر یہاں پر اہلِ بیت خاص طور پر حضراتِ حسنین کے چند فضائل عرض کر دیتا ہے، تاکہ ایمان والوں کے دل ٹھنڈے اور دشمنانِ اہلِ بیت کے دل جل کر راکھ ہوں۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اے نبی! اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہلِ بیت، تم سے گندگی کو دور کر دے، اور تمہیں خوب پاک و صاف کر دے۔"

فائدہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیتِ پاک بھی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین وغیرہ رضی اللہ عنہم (رواہ احمد)

فائدہ: لفظِ اہلِ بیت تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ اہلِ بیتِ سُکنیٰ ۲۔ اہلِ بیت نسبت اور

۳۔ اہلِ بیت ولادت۔

اہلِ بیت سُکنیٰ آپ کی پاک بیویاں ہیں جو آپ کے ساتھ سُکونت رکھتی ہیں۔ اہلِ بیت نسب آپ کے رشتہ دار بنو ہاشم ہیں جو آپ

پر ایمان لائے۔ اور اہلِ بیت ولادت یعنی آپ کی اولاد ہیں۔

(مزید تفصیل فقیر کی کتاب "فضائلِ اہلِ بیت کرام" میں ہے۔

فائدہ:۔ اس آیت سے آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معصوم سمجھنا جہالت ہے، کیونکہ معصومیت انبیاء وملائکہ کی خصوصیت ہے۔ انبیاء وملائکہ کے سوا کسی اور کو معصوم ماننا گمراہی ہے۔ البتہ ہم تمام اہلِ بیتِ کرام، صحابۂ عظام اور اور اولیاء کاملین کو محفوظ مانتے ہیں اور یہی مذہب حق اہل سُنّت کا ہے۔ اس کے خلاف جو عقیدہ رکھے گمراہ ہے۔

احادیثِ مُبارکہ

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اے مسلمانو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اُن کا ساتھ دیتے رہو اور اُن کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے رہو، تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک قرآن جو دوسرے سے اعظم ہے، وہ اللہ کی رسّی ہے، آسمان سے زمین پر لٹکی ہوئی۔ دوسرا میرے اہلِ بیت۔ ان دونوں میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ یہ دونوں ساتھ ساتھ مجھے حوضِ کوثر پر ملیں گے۔ اس لئے تم غور کرو کہ میرے بعد تم نے ان دونوں کے حقوق کیسے ادا کئے، اور اُن کے حقوق میں کیا کیا کوتاہیاں کیں، ان

باتوں کی جواب دہی کے لئے حوضِ کوثر پر تیار رہو۔ (رواہ ترمذی وقال حدیث حسن والحاکم)۔

۲۔ انہی سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "میں تمہارے لئے حوض پر پہلے موجود ہوں گا۔ تم میرے تابع ہو اور تم عنقریب میرے حوض پر آؤ گے۔ میں تم سے پوچھوں گا کہ تم نے میری عظیم امانت سے کیا کیا؟"

ایک مرد مہاجر کھڑا ہو گیا، عرض کی آپ کی دو عظیم امانتیں کون سی ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ان دونوں میں سے سب سے بڑی کتاب اللہ ہے۔ اس کے دو کنارے ہیں، اس کا ایک کنارہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، دوسرا تمہارے ہاتھ میں، اسی لئے اسے مضبوط پکڑو۔ اور وہ دوسری جو چھوٹی ہے، وہ میری آل ہے۔ جو میرے قبلہ کو مانتا اور میری اس دعوت کو قبول کرتا ہے، اُسے چاہیئے کہ میری آل کے ساتھ بھلائی کرے۔ نہ اُن سے لڑے اور نہ اُن پر ظلم کرے، اور نہ اُن کے حقوق میں کوتاہی کرے۔ اور میں نے اللہ لطیف وخبیر سے دُعا مانگی ہے کہ وہ میرے پاس حوض پر آئیں، ایسے جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔ (رواہ الحافظ جمال الدین محمد بن یوسف الزندی فی کتاب نظم دار السمطین

کذافی العلم الظاہر صد ۲)۔

۳۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" میں تمہیں اپنی آل کے لئے بہتری کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کا میرے ہاں حوض پر حاضر ہونا وعدہ ہو چکا ہے۔ (رواہ الدیلمی)۔

۴۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:" میں اور میرے اہلِ بیت ایک درخت ہیں جنّت کے، جن کی شاخیں دُنیا میں ہیں۔ جو ان سے لٹک گیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ بنالیا۔ (اخرجہ ابوسعید فی شرف النبوۃ (العلم الظاہر صد ۴)۔

۵۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:" قیامت میں سب سے پہلے میں اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا۔ اس کے بعد جو ہمارے قریب تر ہوگا۔ پھر انصار کی، پھر اس کی جو مجھ پر ایمان لایا اور میری اتباع کی، اہلِ یمن سے، پھر تمام عرب کی، پھر فرق ہوگا، جس کی مختصر بحث فقیر اس مضمون کے آخر میں عرض کرے گا۔ (تحقیق و تفصیل کیلئے فقیر کی کتاب" گستاخ ولد الحرام اور بد مذہب سیّد نہیں" میں دیکھئے۔)

مذکورہ بالا مضامین جملہ اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم کے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی ملاحظہ ہوں۔

حُبِّ الحسنین رضی اللہ عنہما

۱۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: "لوگو! اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو، کیوں کہ وہ (تمہارا رب ہے اور) تمہیں نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اور مجھے محبوب رکھو، اللہ کی محبت کی وجہ سے، اور میرے اہلِ بیت کو محبوب رکھو میری محبت کی وجہ سے۔ (مشکوٰۃ ص۵۷۳)۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "جس نے مجھ کو محبوب رکھا اور ان دونوں اور اُن کے باپ (علی رضی اللہ عنہ) اور ان کی ماں (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کو محبوب رکھا، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

فائدہ:۔ یہ وہ بشارت ہے جو دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے اعظم اور زیادہ نفع بخش ہے۔ اللھم وفقنا لھذا

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حسن و حسین کو محبوب رکھا، اس نے درحقیقت مجھے محبوب رکھا، اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا، اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا۔

۴۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے کہ: "حسن و حسین دونوں میرے بیٹے ہیں۔ جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا اور جس نے

اللہ کو محبوب رکھا، اللہ نے اس کو جنت میں داخل کیا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا، اس نے اللہ سے بغض رکھا۔

اور جس نے اللہ سے بغض رکھا، اللہ نے اس کو دوزخ میں داخل کیا"۔

۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جس کسی نے بھی ہمارے اہلِ بیت سے بغض رکھا، اللہ نے اُس کو جہنم میں داخل کیا۔ (المستدرک ۳/۱۵۰ زرقانی علی المواہب ۷/۲۔ الصواعق المحرقہ ص۱۷۲)۔

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ ایک کندھے پر حسن اور دوسرے کندھے پر حسین تھے۔ آپ کبھی حسن کو چُومتے کبھی حسین کو۔ ایک شخص نے آپ سے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان دونوں کو بہت محبوب رکھتے ہیں"۔ فرمایا۔ "جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا، بے شک اس نے مجھے محبوب رکھا۔ اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا۔

(البدایہ والنہایہ ص ۸/۲۵)

۷۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کو دیکھا تو کہا "اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا

ہوں، سو تُو بھی ان کو محبوب رکھ"۔ (ترمذی شریف ۔ باب المناقب)۔

۸۔ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت حسن و حسین آپ کی پُشت مُبارک پر کھیل رہے تھے۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ان دونوں سے بہت محبت رکھتے ہیں؟" فرمایا: "کیوں نہ محبت رکھوں۔ جب کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں"۔ (کنز العمال صفحہ ۱۱۱)۔

۹۔ اہلِ عراق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حالتِ احرام میں مکھّی یا مچھّر مارنے کا مسئلہ پوچھا، تو انہوں نے فرمایا "اِن اہلِ عراق کو دیکھو، مجھ سے مکھّی مارنے کا مسئلہ پوچھتے ہیں حالاں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا ہے (کیوں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حسن و حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں"۔

۱۰۔ حضرت زید بن ابی زیاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے دروازے کے پاس سے گزرے اور حضرت حسین کے رونے کی آواز سُنی، تو فرمایا۔ "بیٹی اس کو رونے نہ دیا کرو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔ (تشریف البشر صفحہ ۲۵۔ نور الابصار صفحہ ۱۳۹)

۱۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسین کے مُنہ کے لعاب (Saliva) کو اس طرح چوُستے تھے جس طرح آدمی کھجور کو چوُستا ہے"۔ (نورالابصار صـ ۱۳۹)۔

۱۲۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات کسی کام کے سلسلے میں، مَیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں نکلے کہ آپ کے پاس کوئی چیز کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا "یہ کیا ہے"؟ پس آپ نے کپڑا اٹھایا، تو وہ حسن و حسین تھے۔ فرمایا "یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان کو محبوب رکھتا ہوں، تُو بھی ان کو محبوب رکھ، اور جو ان کو محبوب رکھے اُس کو بھی محبوب رکھ"۔ (کنزالعمال صـ ۱۱۰)

۱۳۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو حسن و حسین آئے اور وہ دونوں آپ کی پیٹھ پر سوار ہو گئے۔ لوگوں نے چاہا کہ اُن کو منع کریں، جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں سے فرمایا "یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا، اُس نے مجھے محبوب رکھا"۔ (البدایہ والنہایہ ۳۵/۸)۔

۱۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے حسن و حسین کو اپنی پیٹھ پر بٹھایا ہوا تھا، اور آپ دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں

پر چل رہے تھے۔ تو میں نے کہا "(اے شہزادو!) تمہاری سواری کتنی اچھی ہے"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سوار بھی تو بہت اچھے ہیں"۔

۱۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:۔

"آپ کے اہلِ بیت میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟" فرمایا "حسن و حسین" اور آپ حضرت فاطمہ سے فرماتے "میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ، تو آپ دونوں کو سونگھتے اور اپنے سینے سے چمٹا لیتے"۔

(ترمذی شریف، مشکوٰۃ ص۵۷۰)۔

۱۶۔ حضرت زید ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین کے متعلق فرمایا کہ "جو ان سے لڑے، میں ان سے لڑنے والا ہوں، اور جو ان سے صلح رکھے، میں اُن سے صلح رکھنے والا ہوں"۔ (ترمذی مشکوٰۃ ص۵۶۹)۔

فائدہ: ان تمام احادیثِ صحیحہ سے اہلِ بیت سے محبت کے لازم ہونے اور ان سے بغض و عداوت کا حرام ہونا واضح طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ کرام اہلِ بیت کی بہت زیادہ عزت و تعظیم

کرتے اور اُن سے اُلفت و محبت رکھتے"۔

۱۷۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "خدا کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مجھ کو اپنے عزیز و اقارب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و اقارب زیادہ محبوب ہیں"۔ (بخاری ص۵۲۶)۔

۱۸۔ ان ہی کا ارشاد ہے "حفاظت کرو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن کے اہل بیت میں"۔ یعنی عزت و حرمتِ محمدی اس میں ہے کہ ان کے اہلِ بیت کی عزت و تعظیم کرو۔ (بخاری ص۵۲۶)۔

۱۹۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت حسن و حسین دونوں جنّت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۵/۸)۔

۲۰۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے لئے باعثِ مسرت ہو کہ وہ کسی جنتی مرد کو دیکھے (اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جنت کے نوجوانوں کے سردار کو دیکھے) تو اس کو چاہیئے کہ وہ حسین ابنِ علی (رضی اللہ عنہما) کو دیکھے۔ (ابنِ حبان، ابوالعلیٰ، ابنِ عساکر، نورالابصار ص۱۳۹)۔

فائدہ:۔ ان ارشاداتِ مبارکہ کے مطابق ہی اہلِ سُنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی محبت سرمایۂ ایمان، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ

وسلّم کے قرب کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ اہلسنت کے بزرگوں نے ان کے مرتبہ کے لحاظ سے اُن کے مُبارک نام جمعہ کے خطبہ میں داخل فرمائے، تاکہ ہر جمعہ کو منبر پر اس عقیدہ کا اظہار و بیان ہوتا رہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اہلبیت کی محبت و عقیدت مضبوط رہے۔

مولانا و مولی الثقلین صلی اللہ علیہ وسلّم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ثقلین (یعنی تمام انسان و جن) کے مالک و مولیٰ ہیں۔ کیوں نہ ہو جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم حبیبِ خدا ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ خلقِ خدا کے مالک و مولیٰ ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے نعتیہ کلام میں کیا خوب فرمایا ہے:۔

واہ کیا جُود و کرم ہے شہِ بطحیٰ تیرا
نہیں سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے دریا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّا تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا

آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا

اغنیاء پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا

اصفیاء چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

فرش والے تیری شوکت کا عُلو کیا جانیں

خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

آسماں خوان، زمین خوان، زمانہ مہمان

صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا مُنہ کیا دیکھیں

کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

بحر سائل کا ہوں سائل، نہ کنویں کا پیاسا

خود بُجھا جائے کلیجہ مرا چھینٹا تیرا

چور حاکم سے چُھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف

تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جگر تازے ہو جائیں سیراب

سچے سورج وہ دل آرا ہے اُجالا تیرا

دل عبث خوف سے پتّا سا اُڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی
اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقا تیرا

خوار و بیمار، خطادار، گنہ گار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

میری تقدیر بُری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا

تُو جو چاہے تو ابھی مَیل میرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

کس کا مُنہ تکئے، کہاں جائیے، کس سے کہیئے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

تُو نے اسلام دیا، تُو نے جماعت میں لیا
تُو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

موت سُنتا ہوں، ستم تلخ ہے زہرابۂ ناب
کون لادے مجھے تلووں کا غسالہ تیرا

دُور کیا جانیئے بدکار پہ کیسی گزرے
تیرے ہی در پہ مرے بیکس و تنہا تیرا

تیرے صدقے! مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری، نُور ہے چھنتا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

فائدہ:۔ قرآن و حدیث سے اس کے دلائل کے بارے میں فقیر کی شرح الحقائق فی الحدائق کا مطالعہ فرمائیے۔ یہاں بطورِ تبرک چند دلائل ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے غنی اس کو کر دیا۔

(صحیح بخاری شریف ص۱۹۸ ا م۔

سرورِ کون و مکان، نبیٔ غیب دان، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم نے کسی کام پر مقرر فرمایا، پس ہم نے اُسے رزق

دیا"۔ (سنن ابی داؤد)۔

۲۔ تو اے محبوب! رب کی قسم، وہ مسلمان نہ ہوں گے، جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ بنائیں۔

۳۔ جو ایمان نہیں لائے اللہ اور پچھلے دن پر اور حرام نہیں مانتے جسے حرام کر دیا ہے اللہ اور رسول نے (پ۱۰ ع ۱)

نوٹ:۔ نبئ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و کرم اور اختیارِ عظیم کا باب وسیع ہے، صرف ایک روایت ملاحظہ ہو۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا دودھ

بخاری وغیرہ میں ہے کہ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اس قدر بھوک نے ستایا کہ میں نے پیٹ پر پتھر باندھ لیا اور راستہ پر بیٹھ گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے، تو میرے اشارے کو نہ سمجھ سکے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، تو وہ بھی نہ سمجھے۔ پھر ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی رزقِ خداوندی اور جنّت کے قاسم (تقسیم کرنے والے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، تو آپ نے میرا اشارہ سمجھ لیا اور تبسّم فرمایا، اور فرمایا "اٹھو، اور میرے پیچھے چلے آؤ" آپ سیدھے گھر تشریف لائے اور گھر والوں سے میرے اندر آنے کی اجازت چاہی اور مجھے اندر بُلا لیا۔ پھر گھر والوں سے پوچھا "کوئی کھانے پینے کی چیز ہے"؟ عرض کی کہ "ہاں آپ کے لئے ہدیہ کے طور پر

دودھ کا ایک پیالہ آیا رکھا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا "ابو ھریرہ! جاؤ تمام اہلِ صُفّہ کو بُلا لاؤ۔" مجھے یہ بات عجیب سی لگی۔ میں نے دل میں کہا کہ دودھ میرا حق تھا کہ میں سخت بھوکا تھا۔ یہ تھوڑا سا دودھ اور اس قدر اہلِ صُفّہ۔ ایک ایک گھونٹ بھی حصّہ نہ ہوگا۔ مجھے تو شاید ہی چکھنے کو نصیب ہو، لیکن تعمیلِ حکم کے بغیر چارہ نہ تھا۔ میں نے سب کو بُلایا۔ سب آکر بیٹھ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوہریرہ! پیالہ ہاتھ میں لے لو اور باری باری پلاتے جاؤ۔" میں سب کو پلاتا چلا گیا۔ ہر ایک نے پیٹ بھر کر پیا، لیکن دودھ میں کمی نہ آئی۔ آخر میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور تبسم فرماتے ہوئے فرمایا "ابوہریرہ اب میں اور تم باقی رہ گئے، تو پہلے تم پی لو۔"

چنانچہ میں نے پیٹ بھر کر پیا اور دودُھ بچ رہا۔ فرمایا۔ "پھر پیو۔" میں نے پھر پیا، حتیٰ کہ میں نے عرض کی "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبیٔ برحق بنا کر بھیجا، اب گنجائش نہیں۔" آخر وہ بچا ہوا دودھ آپ نے خود ہی نوش فرمایا۔

(بخاری ص ۱۱۹)۔

طالبِ دُعا: خاکپائے فقراء و علماء

فقیر القادری محمد مقصود حسین نوشاہی اویسی رضوی

R-31/17 گلبرگ۔ گلستانِ مصطفیٰ۔ کراچی۔ فون: 0300-2052869

ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کُنّیت ہے۔ اور یہ کیفیت آپ کے صاحبزادے سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تھی جن اولادِ کرام پر تمام کا اتفاق بیان کیا گیا ہے، وہ چھ رسول زادے ہیں۔ دو فرزند ہیں یعنی حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں ہیں یعنی سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ اُمِ کلثوم اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ان کے علاوہ میں اختلاف ہے۔

بعض علماء "طیب" اور "طاہر" کو بھی بیٹوں میں شمار کرتے ہیں جس کے باعث کل آٹھ رسول زادے ہوئے۔ چار فرزند اور چار صاحبزادیاں۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابراہیم و قاسم کے علاوہ ایک فرزند عبداللہ بھی ہیں جو مکہ مکرمہ میں چھوٹی عمر میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

(مدارج)

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے صاحبزادے ہیں، جو نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور پاؤں چلنے تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہونے تک، بعض کہتے ہیں صرف دو سال زندہ رہے۔ ان کی وفات بھی اعلانِ نبوّت سے پہلے ہوئی۔ "مستدرک" میں عہدِ اسلام میں وفات پانے پر ایک

روایت کی نشاندہی ہے۔ آیت "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" کا شانِ نزول بھی اس روایت کی تائید ہے۔

انتباہ:۔ صرف اسی کُنیّت کی وجہ سے نہیں، بلکہ آپ اللہ کی ہر نعمت کے قاسم (یعنی تقسیم کرنے والے) ہیں، جیساکہ فرمایا "انما انا قاسم واللہ یعطی" (بخاری) اللہ تعالیٰ مُعطی (یعنی عطا کرنے والے) اور یہ قاسم (یعنی تقسیم فرمانے والے)۔ دیتا وہ ہے، دلاتے یہ ہیں۔ (اس مضمون کی تحقیق و تفصیل "شرح حدائق" میں دیکھیں)۔

مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے۔ لفظ مُحمّد، تحمید سے نکلا ہے اور تحمید حمد سے زیادہ کامل ہے۔ (مدارج)

ھوالذی کثرت خصالہ المحمودۃ (مدارج)

یعنی مُحمّد وہ ہیں جن کی اچھی خصلتیں بہت ہوں اور قاموس میں ہے۔ (ترجمہ) تحمید کے معنی اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف) بار بار کرنا۔ اور لفظ محمد اسی سے نکلا ہے، گویاکہ وہ بار بار حمد (تعریف) کئے گئے ہیں۔ چونکہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بار بار اور نئے انداز و خُوبیوں سے ہورہی ہے اور ہوتی رہے گی، اسی لئے آپ

کا اسمِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا۔

نکتہ:۔ اللہ تعالیٰ کا نام محمد ہے۔ وہ مجرد کے باب سے ہے، جس میں مبالغہ (زیادتی) نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی محمد ہے۔ وہ مزید سے ہے، جس میں مبالغہ (زیادتی) مطلوب ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ یہ اسم اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف) کرنے والی اس کی مخلوق ہے۔ مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد ان کی حمد منقطع ہو جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کرتا ہے، جسے منقطع ہونا نہیں۔ اور حمد بھی ایسی جیسے حمد کرنے والا۔ اس کی تائید بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

قالو ابو العالیہ ابو العالیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ علی النبی کا معنیٰ یہ ہے کہ ملائکہ کے ہاں اپنے نبی علیہ السلام کی ثناء (تعریف) کرنا۔ (بخاری شریف ص ۲۵ ج ۲)۔

عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں: ”اگر کوئی میری حمد کرتا ہے، تو آپ سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں، اگر میں کسی کی حمد کرتا ہوں تو آپ ہی سب سے زیادہ میری تعریف کئے ہوئے ہیں۔

لفظ محمد کے عجائبات

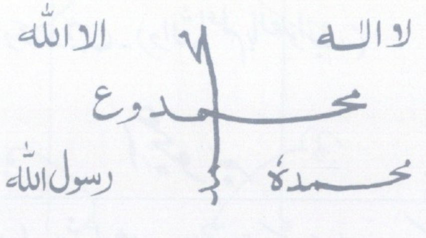
اسمِ مبارک "محمد" کی بے شمار برکات، عجائبات و کرامات ہیں۔ فقیر نے اپنی کتاب "شہد سے میٹھا محمد نام" میں تفصیل سے لکھا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

نوبتی بخار کے لئے

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ" لکھ کر بخار کے آنے سے پہلے ماتھے پر چسپاں کیا جائے۔

خونی یا بادی بواسیر

گیہوں کے آٹے کی ٹکیہ پکا کر یہ نقش لکھ کر مریض کو سات روز تک کھلایا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس موذی مرض سے نجات ہو گی۔ یہ نقش انگوٹھی میں کندہ کرا کے پہنے۔



لفظ محمدؐ کے معمہ جات

طبیبِ عشق را دکاں کدامست

علاجِ جاں کند او را چہ نامست

نشانش میدہم گرچہ شناسی

دو میم و ہشت کاف و چار لامست

ترجمہ :۔ (سوال) طبیبِ عشق کی دوکان کہاں ہے جو رُوح کا علاج کرتے ہیں، اُن کا اسمِ گرامی کیا ہے۔

(جواب) نشان میں بتاتا ہوں اگر تم پہچان سکو۔ ان کے اسمِ گرامی کے دو میم ہیں آٹھ کاف اور چار لام ہیں۔

حل :۔ اس سے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی ''محمد'' مراد ہے۔ کیونکہ دو میم تو آپ کے اسمِ گرامی میں ہیں۔ اور ابجد کے حساب سے حرف ''ح'' کے آٹھ اور ''دال'' کے چار عدد ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب۔)

اعجوبہ

مندرجہ ذیل اشعار میں ہر مصرع کے پہلے حرف کو جمع کرنے کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی حاصل ہوتا ہے۔ اسے اصطلاح میں ''توشیخ'' کہتے ہیں :۔

محمد

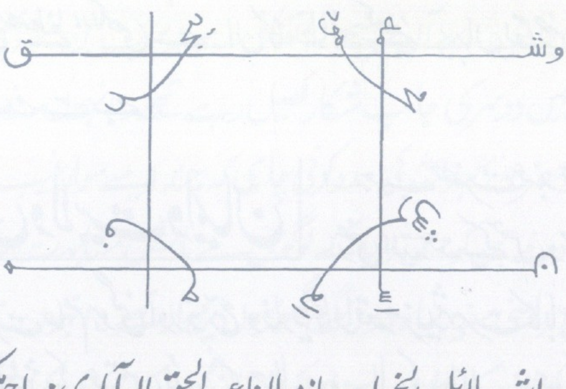
من برو ہنست بموی بستم دل تنگ
حاصل زلیست نیست بیروں از نیرنگ
من باتو وتو بامن مسکین شب و روز
دارم سر آشتی و داری سر جنگ

(غیاث)

دردِ زہ کی تعویذ

بچّہ کی ولادت میں آسانی کے لئے مندرجہ ذیل نقش لکھ کر ناف پر باندھیں یا سیدھے ہاتھ میں دیں۔ جب بچّہ پیدا ہو، اسے فوراً اُتار لیا جائے۔ اور حفاظت سے رکھا جائے۔

نقش یہ ہے:۔



(حاشیہ دلائل الخیرات از مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ)۔

بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے)۔

حضرت عبداللہ مادر زاد ولی تھے۔ اگرچہ زمانہ کے خوارج انہیں اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو کافر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن الحمدللہ اہلِ سُنّت کے ہاں ان دونوں کے ایمان کے مضبوط دلائل ہیں، بلکہ انہیں اپنے زمانہ کے اولیاء مانتے ہیں۔

حضرت امام سیوطی کے رسائل اور امام احمد رضا محدث بریلوی کا رسالہ "شمول الاسلام" کے فیض سے فقیر نے ایک موٹی کتاب "ابوین مصطفٰے" لکھی ہے۔ ان کا مطالعہ کیجئے۔ یہاں بقدرِ ضرورت پیشِ خدمت ہے:۔

دلائل ولایت وایمان

۱۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حسن وجمال کی شہرت عام ہوگئی اور ذبیح وفدیہ کا واقعہ مزید شہرت کا باعث ہوا، تو قریش کی عورتیں اُن کے جمال ووصال کی طالب بن کر سرِراہ نکل کھڑی ہوئیں اور اُن کو اپنی جانب بلانے لگیں۔ مگر حق تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں ایسے نوجوان

کا زنا سے بچ جانا ولایت نہیں تو اور کیا ہے)۔

۲۔ اہلِ کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں سے پہچان گئے تھے کہ نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک وجود حضرت عبد اللہ کے صلب (نطفہ) میں ہے، اس لئے وہ اُن کے دشمن بن کر ان کو ہلاک کرنے کے لئے ان کے پیچھے لگ گئے۔ وہ اس مقصد کے لئے اِرد گرد کے علاقوں سے مکّہ آنے لگے۔ یہاں انہوں نے عجیب وغریب چیزوں کا مشاہدہ کیا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عبد اللہ شکار کے لئے تشریف لے گئے تھے کہ اہلِ کتاب کے (تقریباً) نوّے آدمی زہر آلود تلواریں کھینچتے ہوئے ان کو قتل کرنے کے لئے شام کی جانب سے آن پہنچے۔ اتفاق سے وہب بن منبہ بھی اس جنگل میں دوسری جانب شکار کھیل رہے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر حضرت عبد اللہ کی مدد کرنی چاہی کہ چند ایسے سوار غیب سے نمودار ہوئے جن کو اس دنیا کے لوگوں سے بالکل مشابہت نہ تھی۔ وہ ابلق (یعنی سفید سیاہ دو رنگے) گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ کو ان کے حملوں سے بچا کر شیطانی گروہ کے ایک ایک فرد کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر وہب بن منبہ کے دل میں اسی وقت یہ بات سما گئی کہ کسی طرح اپنی بیٹی آمنہ سے عبد اللہ کا نکاح کر دیں۔

فائدہ: اس واقعہ سے حضرت عبداللہ کی ولایت (ولی ہونے) کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں، جبکہ خونی دشمنوں سے بچنے کی نہ صرف غیبی مدد پہنچی بلکہ بدذات دشمنوں کا خاتمہ بھی کر دیا گیا۔ وہ غیبی مدد کہاں سے پہنچی، اللہ تعالیٰ سے، اور یہی آپ کی ولایت کی دلیل ہے۔

نکاح

حضرت عبدالمطلب کو ایک ایسی خاتون کی تلاش تھی جو حسب و نسب اور شرم و حیا میں ممتاز ہو۔ آمنہ بنت وہب میں یہ صفات موجود تھیں عبدالمطلب نے اس رشتے کو پسند کیا اور حضرت عبداللہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

زنا سے حفاظت

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بنی اسد کی ایک عورت کے سامنے سے گزرے یہ خانہ کعبہ کے قریب کھڑی تھی۔ اس کا نام رقیصہ یا فتیلہ بنت نوفل تھا۔ جب اس عورت کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی، تو وہ آپ کے حسن و جمال پر عاشق ہوگئی اور کہنے لگی: "وہ سو اونٹ جو تم پر فدا کئے گئے ہیں، وہ میرے ذمہ ہیں، میں پیش کروں گی"۔

حضرت عبداللہ کو اس سے حیا و غیرت دامن گیر ہوگئی اور آپ انکار کر کے آگے نکل گئے۔ (مدارج)

دوسرے دن ایک خثعمی (قبیلہ) کی عورت نے، جو فال نکالنے

کے علم میں ماہر اور بہت مالدار تھی، اُس نے بھی اپنے مال کے ذریعہ حضرت عبداللہ کو ورغلانے کی کوشش کی۔ اسی طرح بہت سی عورتوں نے پیش کش کی، مگر حضرت عبداللہ کسی کے فریب میں نہ آئے۔

آخر کار سہاگ رات کو نُورِ محمدی حضرت عبداللہ کی پُشت مُبارک سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ کے رحم مادری میں جلوہ گر ہو گیا، اور وہ حاملہ ہو گئیں۔ یہ منیٰ کے ایام تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔ پھر جب دوسری مرتبہ حضرت عبداللہ اُس عورت کے سامنے سے گزرے، تو عورت نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں وہ نُورِ مبارک نہ پایا، تو وہ اُن سے کہنے لگی "پہلی بار میرے قریب سے جانے کے بعد کیا تم نے کسی عورت سے صحبت کی ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں میں نے اپنی منکوحہ بی بی آمنہ بنت وہب سے صحبت کی ہے"۔ اس پر اس خشعمی عورت نے کہا "اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو اس نُورِ مبارک کی طلبگار تھی، جو تمہاری پیشانی میں جلوہ گر تھا، اب وہ دوسرے کے نصیب میں چلا گیا"۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ جس نے حضرت عبداللہ کو پیشکش کی تھی، وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ ایک دوسری روایت میں ایک

اور عورت کا ذکر بھی آیا ہے، جس کا نام عدویہ تھا۔ ممکن ہے ان تمام عورتوں نے پیش کش کی ہو۔ (مدارج النبوۃ، جلد اوّل)

فائدہ:۔ دورِ حاضر کی بے راہ روی سے کئی گنا زیادہ بے راہ روی دورِ جاہلیت کی مشہور ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جوان ہونے کے علاوہ عورتوں نے انہیں لالچ و طمع پر بھی اُکسانے کی کوشش کی، لیکن جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نبوّت کی وجہ سے معصوم تھے اور زلیخا اور دیگر مصری عورتوں سے بچ گئے، اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی ولایت کی برکت سے زنا سے محفوظ رہے۔

وفات

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تجارت کے لئے ایک قافلے کے ساتھ تھے۔ واپسی پر مدینہ منورہ سے جب گزر ہوا، تو آپ قافلہ سے جدا ہو کر اپنے بھائیوں کے پاس، جو بنی نجار تھے، ٹھہر گئے۔ جب قافلہ والے مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بارے میں دریافت کیا، تو قافلہ والوں نے بتادیا کہ ہم نے انہیں بیماری کی حالت میں چھوڑا ہے۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے فرزند حارث کو ان کو لانے کے لئے بھیجا۔ لیکن جب حارث مدینہ پہنچے، تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور انہیں ”دار نابغہ“ میں دفن کیا جا چکا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ مقام ابواء میں مدفون ہیں۔ ابواء مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے اور لوگوں میں یہی مشہور ہے۔ لیکن چودھویں صدی کے اواخر تک آپ کا مزار مدینہ پاک میں موجود رہا۔ (تفصیل آگے آئے گی۔)

ملائکہ کا عرض

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی، تو فرشتوں نے عرض کی کہ "اے ہمارے رب! ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تیرے نبی اور تیرے حبیب ہیں، یتیم ہو گئے۔" حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔" اُن کا میں حامی، ناصر و کفیل ہوں۔"

واقعہ چاہ زم زم سے استدلال

ممکن ہے، بلکہ یقین ہے کہ زمانہ کے خارجی، حسبِ عادت، یہ کہہ کر ٹھکرا دیں کہ مذکورہ روایات غیر صحیح ہیں۔ وہ اگرچہ صحیح روایات کو حضرت ابن الجوزی رحمت اللہ علیہ اور ابنِ تیمیہ (علیہ ما علیہ) کے نقشِ قدم پر چل کر غیر صحیح، ضعیف بلکہ موضوع کہنے کے عادی بن چکے ہیں۔ لیکن فقیر چاہِ زم زم کے واقعہ سے استدلال کر کے ثابت کرے گا کہ حضرت عبداللہ مادر زاد ولی ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہانہ انتظام کیا گیا۔ لیکن پہلے چاہ زم زم

کے واقعہ کی تفصیل:

خواب لاجواب

جب حق تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو ابرہہ کے شر سے نجات بخشی، تو ایک دن حضرت عبدالمطلب "حجرہ" میں سو رہے تھے۔ انہوں نے ایک بہت بُرا خواب دیکھا، جس سے وہ خوف زدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب قریش کے کاہنوں (فال نکالنے والوں یا غیب دانوں) سے بیان کیا۔ کاہنوں نے جواب دیا کہ:

"اگر تمہارا خواب سچ ہے، تو یقیناً تمہاری پُشت سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا، جس پر تمام زمین و آسمان والے ایمان لائیں گے، اور اس کی نشانیاں خوب ظاہر و روشن ہوں گی۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ نام کی خاتون سے نکاح کیا، جس سے حضرت عبداللہ ذبیح (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد) پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ کے لقب ذبیح کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

چاہ زم زم کا قصّہ

جب سیدہ ہاجرہ کے بطنِ اقدس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، تو نُورِ محمدی اُن کی پیشانی میں چمکا تھا۔ حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ پاک

تھیں، اس پر رشک کرنے لگیں۔ اور وہ حضرت اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتی تھیں۔ چونکہ ان کے کوئی فرزند نہ تھا، اس لئے وہ نہ چاہتیں کہ سیدہ ہاجرہ کے ہاں ایسا فرزند ہو جو اس نُورِ مبارک کا حامل ہو۔ آخر کار حضرت سارہ نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو کسی ایسی جگہ لے جائیں جہاں نہ عمارت ہو، نہ کھیتی، نہ آب و دانہ ہو اور نہ آبادی۔ وہاں انہیں تنہا چھوڑ کر آجائیں۔ (چونکہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کی دلجوئی اور خاطر داری کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے وہ سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو لے کر اس مقام پر تشریف لائے، جو اب حرم مکہ ہے اور انہیں اس ٹیلہ کے نیچے چھوڑ دیا، جہاں بعد میں خانہ کعبہ تعمیر ہوا۔ آپ نے کچھ کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ دونوں کے سامنے رکھ دیا، پھر ان کو خُدا کے سپرد کیا، اس طرح آپ نے حکمِ الٰہی کو پُورا کیا۔

یہاں سیدہ ہاجرہ کھجوریں کھاتیں، پانی پیتیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا، تو پیاس نے غلبہ کیا، یہاں تک کہ جب حضرت اسماعیل پیاس سے مٹی پر لوٹنے لگے، تو سیدہ ہاجرہ بے قرار ہو کر کھڑی ہو گئیں اور کوہِ صفا پر آئیں۔ کچھ دیر وہاں انتظار کیا تا کہ کوئی اُن

کی مدد کو پہنچے۔اور پانی میسر آئے ۔ اس کے بعد نیچے آکر کوہِ مروہ پر گئیں اور کچھ دیر وہاں انتظار کیا۔ اس طرح سات مرتبہ دوڑیں۔ وہ ہر بار حضرت اسماعیل کے پاس آتیں اور انہیں دیکھتیں۔ آخری مرتبہ جب دیکھا تو حضرت اسماعیل کو پیاس کی شدّت سے قریب المرگ پایا۔ اس مرتبہ جب وہ مروہ پہ چڑھیں، تو ان۔ کے کان میں ایک آواز پڑی جو کہہ رہی تھی۔" میں نے آواز سُنی کہ میری فریاد (مدد) کو آؤ"۔ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ جو حضرت اسماعیل کے سامنے مقامِ چاہ زم زم پر کھڑے تھے۔ حضرت جبریل نے اپنا بازو زمین پر مارا، جس کے نتیجے میں زمین میں شگاف ہوگیا اور پانی بہنے لگا۔سیدہ ہاجرہ ڈریں کہ کہیں پانی ختم نہ ہوجائے، اس لئے انہوں نے اس پانی کے گرد حوض نما باڑ باندھ دی۔ چنانچہ اصل سے چاہ زم زم وہی جگہ ہے، جہاں سیدہ ہاجرہ نے پانی کو روکا تھا۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر رحم فرمائے ۔ (وہ) اگر زم زم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں اور پانی کے اس چشمہ کے گرد گھیرا نہ باندھتیں، تو وہ روئے زمین پر جاری رہتا۔"

(اہلِ عرب کی یہ خصلت ہے کہ رائے کی کمزوری کے موقعہ پر" ترحم"، بولا کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیئے)

اس کے بعد سے سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل برابر اس کا پانی پیتے رہے، یہ پیاس کو بھی دُور کرتا اور بھوک کو بھی ختم کرتا۔ یہ زم زم شریف کی خاصیت ہے کہ یہ دُودھ کی طرح کھانے، پینے دونوں کا بدل ہے۔ اس پانی کا مزہ اونٹنی کے دودھ کے مزہ کے موافق ہے۔

سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل ایک عرصہ تک اسی حال میں رہے۔ یہاں تک کہ یمن کا قبیلہ جرہم پانی کی تلاش میں یہاں پہنچا اور اس نے پانی کی خاطر یہاں اقامت اختیار کرلی۔ اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلۂ جرہم میں پرورش پاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے، تو جرہم قبیلہ کی لڑکیوں سے نکاح کیا اور اُن سے کئی فرزند پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی حضرت سارہ کی اجازت سے براق پر سوار ہو کر شام سے مکہ مکرمہ پرسانِ حال کے لئے تشریف لاتے۔ چنانچہ چاشت کے وقت سارہ کے پاس سے چلتے اور قیلولہ کے وقت واپس سارہ کے پاس پہنچ جاتے۔

ایک زمانہ کے بعد حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا تو آپ نے حضرت اسماعیل کی مدد سے اس ٹیلہ پر جہاں آپ نے پہلی مرتبہ سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو چھوڑا تھا، خانہ کعبہ کی

بنیاد رکھی۔ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اس جگہ جنت سے یاقوت کا ایک گھر حق تعالیٰ نے اُتارا تھا، جس میں زمرد کے دو دروازے تھے۔ ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف۔

حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ اس گھر کا طواف کرو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا، زمین میں بیت الحرام بناؤ اور اس گھر کا طواف کرو، جس طرح کہ تم نے آسمان میں عرش کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام ہر سال ہند سے بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے پیدل چالیس حج کئے، اور طوفانِ نوح میں یہ گھر ساتویں آسمان پر اٹھالیا گیا۔ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ لیکن یہاں صرف زم زم شریف کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ وہ کس طرح گم ہوا۔ اور پھر حضرت عبد المطلب کے زمانہ میں کیسے ظاہر ہوا۔

روایت ہے کہ جب تک حضرت اسماعیل السلام حیات رہے، خانہ کعبہ کا انتظام اور اس کی نگرانی انہی کے سپرد رہی۔ آپ

کے بعد "ثابت" جو کہ آپ کے سب سے بڑے فرزند تھے آپ کے قائم مقام ہوئے۔ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد اُن کے اور جرہم قبیلہ کے درمیان اس رشتہ کی بنا پر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تھا، جھگڑا ہوا۔ اور دشمنی پیدا ہو گئی۔ چونکہ ان میں صلح صفائی نہ ہو سکی، اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بہت سے بیٹے مکہ سے نکل کر ملک عرب کے اِدھر اُدھر جا بسے اور مکّہ کی حکومت جرہم قوم کے پاس رہ گئی۔ کچھ عرصہ تک یہی صورت رہی۔

پھر جب جرہم قوم کا ایک حاکم عمرو بن حارث ہوا تو اس نے ظلم وستم کی بنا ڈالی۔ وہ مسافروں کو ستانے لگا، جو ہدیئے خانۂ کعبہ کے لئے آتے، ان پر وہ خود قبضہ کر لیتا، جس کی بنا پر اس وقت جو عرب قبائل اِرد گرد بستے تھے، اس حاکم کے خاتمے اور ہلاکت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چونکہ جرہم قوم ان کے مقابلہ کی تاب و طاقت نہ رکھتی تھی، اس لئے یمن کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ بھاگتے وقت عمرو بن حارث نے حجرِ اسود کو رُکنِ کعبہ سے اکھاڑ کر اور دو سونے سے بنی ہوئی ہرن کی مورتیاں جو ہیرے جواہرات سے مرصّع تھیں اور جو اسفندیار فارسی نے بطورِ ہدیہ خانۂ کعبہ کو بھیجی تھیں (جنہیں غزال الکعبہ کہتے تھے) اور خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے چند ہتھیار، ان سب کو چاہِ زم زم میں چھپا کر اسے پاٹ دیا۔ پھر جگہ

کو زمین کے برابر کر کے اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ حق تعالیٰ نے حرم مکّہ کی اس بے حرمتی اور وہاں ظلم و گناہ کرنے کی پاداشت میں اُن پر ایک وبا بھیجی ، جسے اہل عرب "حدسہ" کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے کچھ تو ہلاک ہوئے اور کچھ وہاں سے بھاگ گئے۔ اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ میں واپس آکر رہنے لگی۔ لیکن چاہِ زم زم اسی دن سے گم اور بے نشان رہا۔

جس وقت مکہ کی حکومت و سرداری کی نوبت حضرت عبد المطلب تک آئی اور حق تعالیٰ نے چاہ زم زم کو ظاہر کرنا چاہا، تو حضرت عبد المطلب کو خواب میں چاہ زم زم کا مقام دکھا کر حکم دیا کہ اُسے ظاہر کر دو۔ چونکہ اس کی جگہ مشتبہ تھی، اس لئے انہوں نے آثار وغیرہ سے جانا اور چاہا کہ اُسے کھدوا دیں، لیکن قوم قریش آڑے آئی اور ان بے وقوفوں نے ان کے لئے انہیں تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔

بات یہ تھی کہ چاہِ زم زم کی جگہ دو بُت نصب تھے، جن کا نام اساف اور نائلہ تھا اور قریش نہیں چاہتے تھے کہ بُتوں کے بیچ میں کنواں کھودا جائے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عبد المطلب اپنے ایک فرزند حارث کے ساتھ چاہِ زم زم کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ ابھی تھوڑی سی زمین کھودی تھی کہ پتھر اور نشان برآمد ہو گئے اور ساتھ

ہی وہ ہتھیار اور ہرن کی مورتیاں بھی جنہیں یہاں چھپایا گیا تھا، نمودار ہوگئیں۔ چنانچہ کھودنا روک دیا اور پانی نکل آیا۔ اس کارنامہ پر حضرت عبدالمطلب کی عزت و قدر دوبالا ہوگئی۔ اس وقت انہوں نے نذر مانی کہ جب حق تعالیٰ انہیں دس فرزند عطا فرمائے گا، تو جب وہ بالغ ہوکر ان کے مددگار بن جائیں گے، تو اُن میں سے ایک فرزند کی حق تعالیٰ کے حضور قربانی دیں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے انہیں دس فرزند عطا فرما دیئے۔ اور وہ سب کے سب بالغ بھی ہو گئے۔

ایک رات حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کے قریب سو رہے تھے کہ انہیں خواب میں کسی کہنے والے نے کہا "اے عبدالمطلب! اپنی اس نذر کو جو رب کعبہ کے لئے مانی تھی، اُسے پورا کرو۔" جب وہ بیدار ہوئے، تو خوف سے لرز رہے تھے۔ چونکہ اس معاملے میں دیر ہونے کے باعث وہ پریشان تھے، اس لئے فوراً ایک دُنبہ کو ذبح کر کے کھانا تیار کروا کے فقراء و مساکین کو کھلایا۔ لیکن اس کے بعد جب وہ سوئے تو کہنے والے نے کہا: "اس سے بڑھ کر قربانی دو۔"

جب بیدار ہوئے تو اونٹ کی قربانی دی۔ لیکن اس کے بعد جب سوئے، تو کہنے والے نے حکم دیا کہ "اس سے بڑھ کر قربانی دو۔"

حضرت عبدالمطلب نے پوچھا" اس سے بڑھ کر کون سی قربانی دوں"؟ کہا گیا کہ" اپنے فرزندوں میں سے ایک کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی"۔ یہ سُن کر وہ بہت غمگین ہوئے۔ انہوں نے اپنے تمام بیٹوں کو جمع کر کے سارا حال بیان کیا۔

تمام بیٹوں نے ایک زبان ہو کر کہا" آپ کو اختیار ہے، اگر آپ ہم سب کی قربانی دینے پر راضی ہیں، تو ہم سب تیار ہیں"۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے فرزندوں کی یہ اطاعت وسعادت مندی بہت بھلی معلوم ہوئی۔ فرمایا قرعہ ڈالو، جب قرعہ ڈالا گیا، تو حضرت عبداللہ کا نام نکل آیا، حضرت عبداللہ اپنے والد کے نزدیک بہت محبوب و پیارے تھے، کیوں کہ اُن کی پیشانی میں نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) روشن تھا اور وہ صاحبِ حُسن و جمال اور بڑے بہادر پہلوان اور تیر انداز تھے۔

لیکن اس کے باوجود حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر انہیں اساف اور نائلہ کے قریب خانہ کعبہ سے متصل قربان گاہ میں لے آئے۔ جب قریش کو اس کا پتہ چلا تو وہ آڑے آگئے، خصوصاً وہ لوگ جو کہ قریشی رشتہ دار تھے۔ وہ انہیں لے کر اس کاہنہ عورت کے پاس آئے جو حجاز میں سارے کاہنوں سے زیادہ دانا اور عقلمند تھی۔ اس وقت جنّوں کا آسمان پر جانا آنا

اور وہاں کی باتیں چوری چھپے سننا ممنوع نہیں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ کاہنوں کو آکر باتیں بتاتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔

چنانچہ قریش والے حضرت عبد المطلب کو اُس کاہنہ کے پاس لائے اور اس کو تمام ماجرا سُنایا۔ عورت نے کہا۔ ”آج تم لوگ جاؤ، کل آنا، تاکہ میں اپنے ہمزاد جن سے اس بارے میں معلوم کر سکوں کہ وہ کیا اشارہ کرتا ہے“۔

جب دوسرے دن وہ اُس کے پاس پہنچے، تو اس نے پوچھا کہ ایک آدمی کی ”دیّت“ (خون بہا) میں تمہارے نزدیک کتنے اونٹ ہیں۔ لوگوں نے بتادیا، دس اونٹ ہیں۔ کاہنہ نے کہا کہ ان دس اونٹوں اور لڑکے کے نام قرعہ ڈالو، اگر پھر لڑکے کا نام نکلے تو اتنے ہی اونٹ اور بڑھا کر قرعہ ڈالو۔ اسی طرح دس دس اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاؤ، یہاں تک کہ اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے۔ جب اونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو اتنے ہی اونٹ بڑھا دیں۔ یہ اونٹ اس کا فدیہ بن گئے اور تمہارے لڑکے نے اس سے نجات پالی۔

چنانچہ اساف اور نائلہ کے قریب قربان گاہ میں حضرت عبد اللہ کے مقابل اونٹوں کو لایا گیا اور قرعہ اندازی شروع کی یہاں تک کہ نوبت سو اونٹوں تک پہنچ گئی۔ جب قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ مگر حضرت عبد المطلب کے دل کو اطمینان نہ ہوا۔ یہاں تک کہ

کئی مرتبہ بھی قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا، تب حضرت عبدالمطلب کو اطمینان حاصل ہوا اور انہوں نے شکرِ الٰہی ادا کیا اور حضرت عبداللہ نے ذبح ہونے سے رہائی پائی۔

اس کے بعد سو اونٹوں کو ذبح کر کے خاص و عام اور جانوروں اور پرندوں کو کھلایا گیا۔ اس طرح عرب میں ایک شخص کی دیت (خون بہا) ایک سو اونٹ مقرر ہو گئی، حالانکہ اس سے پہلے دس اونٹ مقرر تھی۔ اور جب دورِ اسلام آیا، تو نبی علیہ السلام نے بھی یہی مقرر فرمایا۔ اس بنا پر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ اس سے مراد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

مواہب کے مصنف فرماتے ہیں کہ زمخشری نے اُسے کشاف میں بیان کیا اور حاکم کی مستدرک میں حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر قحط سالی کی شکایت کی اور کہا "اے دو ذبیحوں کے فرزند! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو مالِ غنیمت دیا ہے، اس میں سے مجھے بھی عطا فرمائیے۔" اس پر حضور علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور اس سے انکار نہ فرمایا۔

فائدہ:۔ جمہور مسلمانوں کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ذبیح

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام ہے۔

طریقۂ استدلال

اہلِ دانش سوچیں کہ چاہِ زم زم کی گمشدگی کے بعد یہ نعمت دوبارہ ملی، تو کس کا صدقہ تھا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام قرعہ پڑنا اور اس نذر کو اللہ کی طرف پورا کرنا، پھر دس بار ان دونوں کا تکرار کیوں؛ اور اس طرح نذر مان کر سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرنا۔ اور اس کے علاوہ حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نورِ مصطفٰے کا چمکنا، کیا یہ سب حضرت عبداللہ کے ولی ہونے کی دلیل ہے یا نہیں ؟۔

کرامت بعد وصال

اسی صدئ رواں میں (بیسوی صدی میں) نجدیوں نے مسجدِ نبوی کی توسیع کے بہانے حضرت عبداللہ اور چند صحابہ کے مزارات اڑادیئے۔ لیکن مزارات کھولنے کے بعد صحابۂ کرام کی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جسم پاک بھی محفوظ و موجود تھا۔ جسے جملہ ممالک کے اخبارات میں شائع کیا گیا۔ ہم نے بھی پاکستانی اخبارات میں پڑھا۔ فقیر نے اس کی تفصیل "صدائے نوحی شرح مثنوی" اور "ابوینِ مصطفٰے" میں لکھ دی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی حضرت عبداللہ کو مومن اور ولی نہیں مانتا، تو وہ اپنی قسمت کا ماتم کرے۔

نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلّم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے ذاتی نُور سے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور پاک اللہ تعالیٰ کا خاص جلوہ ہیں۔ یہ من تعیفیہ نہیں بلکہ شرافت کی نشانی ہے جیسے "نَفَخْتُ فِیْہِ من روحی" یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے، روح منہ۔ اس کے مزید دلائل شرح حدائق میں ہیں۔

حضور علیہ السلام نور ہیں۔ اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ترجمہ) "بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نُور آیا اور قرآن جو بیان کرنے والا۔" (المائدہ پ ۶ رکوع ۷) ترجمہ، تفسیر وحیدی از وحید الزماں (غیر مقلد)۔

یعنی پہلے لفظ نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

تفاسیر

روح البیان پ ۶ ج ۲ صـ ۳۲۹ طبع بیروت

تفسیر ابنِ جریر ج ۴ صـ ۱۶۰ بیروت۔

تفسیر مظہری ج ۳ صـ ۶۸، تفسیر موضع القرآن صـ ۱۰۲، تفسیر ثنائی ج ۱ صـ ۳۶۲۔

فائدہ:۔ اس آیتِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مُبارکہ کو نُور کہا گیا ہے۔

احادیثِ مُبارکہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے میرے نُور کو پیدا فرمایا۔ یہ حدیث یعنی "اول ما خلق الله نوری" احادیث کی مندرجہ ذیل کتابوں میں ہے:۔ ۱۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صہ ۹۲ ۲۔ فیوض الحرمین صہ ۹۸/۲۹۶ ۳۔ بارگاہِ رسالت اور بزرگانِ دیوبند صہ ۳۵ ۴۔ امداد السلوک صہ ۱۵۷ ۵۔ شہابِ ثاقب از حسین احمد مدنی صہ ۴۷، ۶۔ موضوعات کبیر عربی صہ ۱۴۹۔

فائدہ:۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نُورِ اوّل ہونے کے متعلق لکھا ہے۔

حدیث (ترجمہ) فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نُور کو آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ (نسیم الریاض ج ۲ صہ ۲۱۱ طبع بیروت)۔

فائدہ:۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ "میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں نُور تھا"۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ صہ ۴۹ روح البیان ج ۲ صہ ۵۴۲

جواہر ج ۲ صہ ۳۱۹)۔

حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے کیا بنایا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے تیرے نبی کے نُور کو پیدا فرمایا اپنے نوُر سے۔ (انوارِ محمدیہ صہ ۱۳، مواہب الدنیہ ج ۱ صہ ۹۹، نشر الطیب صہ ۶، امداد السلوک صہ ۱۵۷، انتباہ فی سلاسلِ اولیاء صہ ۹۲، شہاب ثاقب صہ ۴۷، النعمتہ الکبریٰ صہ ۳ میلاد النبی ابنِ جوزی صہ ۱۲۴، فیوض الحرمین صہ ۲۸۶۔ ان کے علاوہ حدیث کی بیشمار کتابوں میں یہ حدیث لکھی ہوئی ہے۔ اس حدیث کی مزید تحقیق و تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب "فیض الغافر فی حدیثِ جابرؓ" دیکھیے۔

یاایہا المشتاقون بنورِ جمالہٖ

صاحبِ درودِ تاج (رحمتہ اللہ علیہ) درودِ تاج کا مضمون ختم کر کے آخر میں عاشقانِ مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیارتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا نسخہ بتاتے ہیں۔ اور وہ آزمودہ نسخہ ہے کثرتِ درودِ وسلام لیکن صلوٰۃ و سلام کے منکرین اور اولیاء کرام کے مخالفین بجائے اس نسخہ کے آزمانے کے، اس پر اعتراضات پر کمر بستہ ہیں۔

پھلواری صاحب درود تاج کے آخری جملہ تک اعتراض کرنے سے باز نہ آئے۔ لیکن ہمارے غزالیٔ زمان نے بھی اسے وہاں تک پہنچایا جس کا وہ مستحق تھا۔ علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ "پھلواری صاحب فرماتے ہیں "کس مبتدی طالب علم کو یہ نہیں معلوم کہ مشتاق کا صلہ "الیٰ" ہوتا ہے "ب" نہیں ہوتا؛ اتنی بھونڈی غلطیاں کوئی اہلِ علم نہیں کرسکتا۔

جواب:۔ یہ اعتراض پھلواری صاحب کی لاعلمی پر مبنی ہے انہیں معلوم نہیں کہ یہاں "اَلْمُشْتَاقُوْنَ" "اَلْعَاشِقُوْنَ" کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ اور "عشق" کا صلہ "ب" آتا ہے "الیٰ" نہیں آتا۔ قاموس میں ہے "عَشِقَ بِہٖ" (جلد ۲ ص ۲۶۵) نیز تاج العروس جلد ۷، ص ۱۳ اور اقرب الموارد جلد ۲ ص ۷۸۶ میں بھی عشق کا صلہ "ب" لکھا ہے۔

شاید پھلواری صاحب اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جب کوئی لفظ کسی دوسرے لفظ کو متضمن ہو، تو اس کے صلہ میں وہی حرف آئے گا، جو اس دوسرے لفظ کے صلہ میں آتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمْ۔ الآیۃ (پ ۲ البقرہ) کس مبتدی طالب علم کو معلوم نہیں رَفَثْ کا صلہ "ب" آتا

ہے "الیٰ" نہیں۔

لسان العرب میں ہے "وَقَدْ رَفَثَ بِهَا"، (جلد ۲ صفحہ ۱۵۴)

چونکہ آیت کریمہ میں لفظ رَفَث "اِفْضَاءٌ" کے معنی کو متضمن

ہے، جس کا صلہ الیٰ آتا ہے۔ لسان العرب میں ہے اَفْضَیْتُ

اِلَی الْمَرْأَۃِ (جلد ۲ صفحہ ۱۵۴) اس لئے آیت کریمہ میں لفظ رَفَث

کا صلہ الیٰ وارد ہوا۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث وارد ہے "صَرِّفْ قَلْبِيْ عَلٰی

طَاعَتِكَ (ص ۲۱) کس مبتدی طالب علم کو معلوم نہیں کہ صَرِّفْ کا صلہ

الیٰ آتا ہے، علیٰ نہیں آتا۔ مگر چونکہ یہ لفظ ثَبِّتْ کے معنی کو متضمن

ہے جس کا صلہ علیٰ ہے، اس لئے حدیث میں الیٰ کی بجائے علیٰ

وارد ہوا۔

کیا پھلواری صاحب قرآن وحدیث کے الفاظ کو بھی معاذ اللہ

بھونڈی غلطیاں قرار دیں گے؟ اگر نہیں تو انہوں نے "مُشْتَاقُوْنَ"

کے صلہ کو جو بھونڈی غلطی قرار دیا ہے، تسلیم کر لیں کہ درود تاج کی

بجائے یہ ان کی اپنی بھونڈی غلطی ہے۔

آسان جواب

علامہ حافظ احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اور زیادہ آسان جواب لکھا۔ فرماتے ہیں

کہ "عربی کے مبتدی طلبہ جانتے ہیں کہ "اِشْتَاقُوْنَ اور اَوْلَعَ"

دو ایسے فعل ہیں، جن کا معنیٰ ایک ہے، اور اَوْلَعَ کا صلہ "ب" ہے۔ کہا جاتا ہے اَوْلَعَ الفَصِیلُ بِاُمِّہٖ (بیضاوی ص۵) اسی لئے مُشْتَاقُوْنَ کے صلہ میں لفظ "ب" کا ذکر بالکل درست ہے۔

صلوا علیہ والہٖ واصحابہٖ وسلموا تسلیماً

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر درود بھیجو۔ اور بہت زیادہ سلام عرض کرو۔ کثرتِ صلوٰۃ وسلام ہر مشکل کا حل ہے، خاص طور پر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے تو اکسیر ہے۔

حکایت سلطان محمود علیہ الرحمتہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کے باعث بارگاہِ رسالت میں اس پر خصوصی عنایت تھی۔ ایک شخص خواب میں دیدارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے تو عرض کی۔ "یارسول اللہ! ہزار درہم مجھ پر قرض ہے، ادا کرنے کی توفیق نہیں اور ڈرتا ہوں کہ قرض ادا کئے بغیر کہیں موت نہ آجائے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "محمود کے پاس جاؤ اور اس سے رقم لے کر اپنا قرض ادا کرو"۔ عرض کیا "یاسید البشر! شاید وہ میری بات کا اعتبار نہ کریں اور

نشانی طلب کریں"۔ فرمایا کہ "نشانی یہ ہے کہ وہ تیس ہزار درود اول شب اور تیس ہزار درود آخر شب بیدار ہو کر پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے محمود کے پاس حاضر ہو کر یہ مبارک خواب سنایا تو اُن پر رقّت طاری ہوئی، انہوں نے ہزار درہم قرض اتارنے کے علاوہ مزید ہزار درہم اس شخص کو دیئے۔ اور حاضرین کے پوچھنے پر فرمایا کہ "اس خواب سے علماء کے اس بیان کی تصدیق ہو گئی ہے کہ واقعی مذکورہ درود شریف ایک بار پڑھنا دس ہزار کے برابر ہے۔ (فائدہ)۔ معلوم ہوا کہ درود شریف بہت مبارک وظیفہ ہے اور بارگاہِ رسالت میں قرب اور نگاہِ عنایت کا ذریعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی حیات میں زندہ ہیں، اپنے غلاموں کا درود و سلام سنتے ہیں اور انہیں جانتے پہچانتے ہیں۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد غلام اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔

اگرچہ نماز میں درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے، لیکن نماز کے علاوہ اس درود کے پڑھنے کی بات ہی نہیں، بلکہ محبت و تعظیم کے ساتھ مختلف درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ جیسے حضرت سلطان

محمود رحمۃ اللہ علیہ کے قصّہ میں پڑھا، وہ دراصل وہی درود ہزارہ ہے، جو درود تاج کی طرح مشہور ہے۔

درود تاج کی طرح اب بھی مشائخ کے بیان کردہ درود موجود ہیں، جن کا نقد تجربہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی کیا جا سکتا ہے، چند نمونے حاضر ہیں:

مجرب درود شریف

(۱) شیخ محمد عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ "جزب القلوب" ص۲۴۷ میں فرماتے ہیں، جس کا متن حسب ذیل ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ مَاصَلَّيْتَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ صَلٰوةً دَآئِمَةً بِدَوَامِكَ بَاقِيَةً بِبَقَآئِكَ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًا وَلِحَقِّهٖ اَدَآءً صَلٰوةً مَّقْبُوْلَةً لَّدَيْكَ مَفْرُوْضَةً عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

خاصیت

حضرت شیخ مذکور نے فرمایا ہے کہ یہ صیغہ مشہور ہے اور تابعین کے وقت سے مشائخ کے معمولات میں داخل ہے۔ حضرت شیخ اجل اکرم علی متقی نے اپنے بعض رسالوں میں اس درود شریف کی وصیت

فرمائی ہے اور اسی درود کی فقیر کو شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کی جانب روانگی کے وقت اجازت دی۔ جو کچھ مجھ کو اس درود سے نور اور حضور اور خضوع و خشوع حاصل ہوا ہے دوسرے درودوں میں کمتر حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ درود زبان تک نہ آئے، دل کو تسکین نہیں ہوتی اور یہ خاص اسرار مشائخ کی اجازت سے ہے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کے فرمائے ہوئے درودوں میں بھی طالبوں کو بڑی برکتیں، لذتیں اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ مشائخِ کرام اور علمائے عظام کا کشف والہام برحق ہے۔ اسے علم کلام (شرح عقائد) نیز مواقف شرح مواقف وغیرہ جیسی کتابوں میں تحقیق کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی سے ثابت کیا گیا ہے۔

صلوٰۃ المحبوب

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جذب القلوب میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص یہ درود ہمیشہ روضۂ مُبارک پر پڑھا کرتا تھا۔ جب وہ مدینہ منورہ سے واپسی کے لئے آمادۂ سفر ہوا، تو حکم آیا کہ کچھ روز یہاں مزید قیام کرو، مجھ کو تیرا یہ درود پسند آتا ہے۔ (درود شریف یہ ہے)۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً اَنْتَ لَھَا اَھْلٌ وَھُوَ لَھَا اَھْلٌ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ط

فائدہ: غور کرنا چاہیئے کہ درود کے مصنف کو اپنے ایجاد کردہ درود کے باعث حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر مقبولیت اور پسندیدگی حاصل ہوگی۔

۳۔ صلوۃ الحاجہ:- حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درود شریف تیار کیا۔ جو احادیث کی کتابوں سے منتخب کردہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر مشتمل تھا۔

فائدہ: غور فرمائیے کہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے درود شریف تیار کیا، تو کیا اس ایجاد پر انہیں بدعتی کہا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں کہا جاسکتا۔ تو پھر درود تاج کا کیا قصور۔ مذکورہ درود "جذب القلوب" کے صـ ۲۵۲ پر یوں درج ہے۔

اللھم صل وسلم وبارك وكرم على سيدنا ونبينا محمد عبدك ونبيك ورسولك النبى الامى نبى الرحمة وشفيع الامة الذى ارسلته رحمة

للعالمين وعلىٰ اٰلہٖ واصحابہٖ واولادہٖ وذريت
واهل بيتہٖ الطاهرين الطيبين وعلىٰ ازواجہٖ
الطاهرات امهات المومنين افضل صلواتٍ
وازكىٰ وسلامٍ وانمىٰ بركاتٍ عدد مافى علمك
وزينة مافى علمك وملأ مافى علمك ومداد
كلماتك ومبلغ رضائك وصل وسلم وبارك
وكرمه كذالك كله افضل صلواتٍ وازكىٰ
سلامٍ وانمىٰ بركاتٍ علىٰ جميع الانبياءِ
والمرسلين وعلىٰ اٰلِ وازواج واصحاب كلٍ
سندم والتابعين وعلىٰ سيدنا الشيخ محى الدين
عبد القادر المكين الامين وعلىٰ كل ولى اللّٰہ
فى العالمين وسائر المومنين من الاولين والآخرين
عدد مافى علم اللّٰه وملأ مافى علم اللّٰه وزنة
ما علم اللّٰه ورحمنا الٰهنا بحرمتهم اجمعين
واشفعنا وعافنا من كل اٰفةٍ وعاهةٍ واعف عنا
وعاملنا بلطفك الجميل ولا تسلط علينا
بذنوبنا من لا يرحمنا برحمتك يا ارحم الراحمين
آمين آمين آمين۔

فائدہ:۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کوئی اس درود کو ہمیشہ پڑھا کرے گا، اُس کو اللہ تعالیٰ ہر ایک آفت و حادثہ سے نجات دے گا۔ مجھ کو اس درود پڑھنے کی اجازت بعض مشائخ محدثین نے عطا کی ہے۔

الصلوٰۃ المشیشیۃ

یہ حضرت مولانا عبد السلام مشیش قدس سرہ کا ایجاد کردہ ہے۔ اس درود کی نسبت بڑے بڑے غوث، قطب، اوتاد، نقباء، صلحا، علماء محدثین کا اتفاق ہے۔ اکثر غوثانِ زمانہ اور قطبانِ وقت اس کی متعدد شرحیں لکھتے رہے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی شرح ''فیوض الحرمین'' میں لکھی ہے۔

فضائل

قطبِ وقت سید عبد الغنی رضی اللہ عنہ مجددِ وقت، مجددِ دین حضرت امام زبیدی کے پیر و مرشد ہیں، وہ عارف باللہ احمد نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ اس درود شریف کے پڑھنے سے وہ انوار و برکات حاصل ہوتے ہیں جس کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح ربانی حاصل ہوتی ہے۔ اِسے صدق و خلوص سے ہمیشہ پڑھنے والے کا سینہ کھل جاتا ہے، کاروبار میں کامیابی ہوتی ہے۔ اس کا پڑھنے

والا باطن اور ظاہر کی تمام آفتوں، بلاؤں اور بیماریوں سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات اس کے شاملِ حال رہتی ہیں۔

وظیفہ

اس درود شریف کا وظیفہ دو طرح پر ہے۔

۱۔ نمازِ فجر کے بعد ایک مرتبہ اور نمازِ مغرب کے بعد ایک مرتبہ پڑھا جائے۔

۲۔ بعد نماز فجر ۳ بار، بعد نماز مغرب ۳ بار، بعد نماز عشاء ۳ بار پڑھا جائے۔ (فضص ۱۱۱، ۱۱۲)

درود شریف یہ ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ مِّنْهُ انْشَقَّتِ الْاَسْرَارُ وَانْفَلَقَتِ الْاَنْوَارُ وَفِيْهِ ارْتَقَتِ الْحَقَآئِقُ وَتَنَزَّلَتْ عُلُوْمُ اٰدَمَ فَاَعْجَزَ الْخَلَآئِقَ وَلَهٗ تَضَآءَلَتِ الْفُهُوْمُ فَلَمْ يُدْرِكْهُ مِنَّا سَابِقٌ وَّلَا لَاحِقٌ فَرِيَاضُ الْمَلَكُوْتِ بِزَهْرِ جَمَالِهٖ مُوْنِقَةٌ وَحِيَاضُ الْجَبَرُوْتِ بِفَيْضِ اَنْوَارِهٖ مُتَدَفِّقَةٌ وَلَا شَيْءَ اِلَّا وَهُوَ بِهٖ مَنُوْطٌ اِذْ لَوْلَا الْوَاسِطَةُ لَذَهَبَ

كَمَا تَنِيْلَ الْمَوْسُوْطِ صَلوٰةً تَلِيْقُ بِكَ مِنْكَ اِلَيْهِ
كَمَا هُوَ اَهْلُهُ ه اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ سِرُّكَ الْجَامِعُ الدَّالُ
عَلَيْكَ وَحِجَابُكَ الْاَعْظَمُ الْقَائِمُ لَكَ بَيْنَ
يَدَيْكَ اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْنِيْ بِنَسَبِهٖ وَحَقِّقْنِيْ بِحَسَبِهٖ
وَعَرِّفْنِيْ اِيَّاهُ مَعْرِفَةً اَسْلَمُ بِهَا مِنْ مَّوَارِدِ الْجَهْلِ
وَاَكْرَعُ بِهَا مِنْ مَّوَارِدِ الْفَضْلِ وَاحْمِلْنِيْ عَلٰى
سَبِيْلِهٖ اِلٰى حَضْرَتِكَ حَمْلًا مَّحْفُوْفًا بِنُصْرَتِكَ
وَاقْذِفْ بِيْ عَلَى الْبَاطِلِ فَاَدْمَغُهُ وَزُجَّ بِيْ فِيْ بِحَارِ
الْاَحَدِيَّةِ وَانْشُلْنِيْ مِنْ اَوْحَالِ التَّوْحِيْدِ وَاَغْرِقْنِيْ
فِيْ عَيْنِ بَحْرِ الْوَحْدَةِ حَتّٰى لَا اَرٰى وَلَا اَسْمَعَ
وَلَا اَجِدَ وَلَا اُحِسَّ اِلَّا بِهَا وَاجْعَلِ الْحِجَابَ
الْاَعْظَمَ حَيٰوةَ رُوْحِيْ وَرُوْحَهُ سِرَّ حَقِيْقَتِيْ
وَحَقِيْقَتَهُ جَامِعَ عَوَالِمِيْ بِتَحْقِيْقِ الْحَقِّ الْاَوَّلِ يَا اَوَّلُ
يَا اٰخِرُ يَا ظَاهِرُ يَا بَاطِنُ اِسْمَعْ نِدَآئِيْ بِمَا
سَمِعْتَ بِهٖ نِدَآءَ عَبْدِكَ زَكَرِيَّا وَانْصُرْنِيْ
بِكَ لَكَ وَاَيِّدْنِيْ بِكَ لَكَ وَاجْمَعْ بَيْنِيْ
وَبَيْنَكَ وَحُلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ غَيْرِكَ اَللّٰهُ اَللّٰهُ
اَللّٰهُ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ

إِلَىٰ مَعَادٍ ۝ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

(ترجمہ) یا اللہ ! اُس ذاتِ والا پر درود بھیج، جس سے اسرار ظاہر ہوئے اور انوار طلوع ہوئے اور وہ جس میں حقیقتیں ترقی کرتے ہوئے کمال کو پہنچیں اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم بھی آپ میں اُترے، کہ تمام مخلوق کو عاجز کر دیا اور اس کے سامنے تمام عقلیں عاجز آ گئیں۔ اس کی حقیقت کو نہ ہم سے پہلے والے پا سکے اور نہ بعد والے پاسکیں گے۔ عالم ملکوت کے باغات اس کے جمال کی چمک سے سجے ہوئے ہیں۔ اور عالم جبروت کے حوض اس کے انوار کے فیضان سے چھلک رہے ہیں۔ اور تمام کائنات میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اُس سے جڑی ہوئی نہ ہو، جب کہ (اگر) واسطہ نہ رہے تو جس کا واسطہ مطلوب ہو، وہ بھی نہیں رہتا۔ یا اللہ ! ایسا درود بھیج، جو تیری عظمت کے لائق، تیری

طرف سے اُس ذاتِ والا کی جانب، اس شان و عظمت کے ساتھ ہو، جس کی اہلیت و قابلیت اُس مُبارک ہستی میں ہے۔ اے اللہ! بلا شک و شبہ وہ ذاتِ والا تیرا جامع ترین بھید (راز) ہے، جو تیری ہستیٔ پاک کی بے مثل دلیل ہے۔ اور تیرے حضور میں تیرا سب سے بڑا حجاب (پردہ) قائم ہے۔ یا اللہ! مجھے اس کی نسبت سے ملا دے اور اس کے حَسَب (تقویٰ) شناسا کر دے۔ اور اس کے واسطہ سے مجھے ایسی معرفت عطا فرما کہ اس معرفت کے ذریعہ سے جہالت کے گڑھوں سے بچ جاؤں اور اس کے ذریعہ سے فضائل و کمالات کے گھاٹوں سے سیراب ہو جاؤں۔ اور اس ذاتِ والا کے راستے پر، اپنی بارگاہ تک، اپنی بھرپور مدد کے ساتھ چلائے جا اور مجھے باطل پر حملہ آور ہونے کی طاقت عطا فرما تاکہ میں اُسے کُچل کر رکھ دُوں۔ اور مجھے احدیت کے سمندر میں ڈال دے اور مجھے توحید کے شکوک و شبہات سے بچا لے اور مجھے دریائے وحدت کے چشمے میں غرق کر دے۔ یہاں تک کہ میں نہ دیکھوں، نہ سُنوں اور نہ پاؤں اور

نہ محسوس کروں مگر اسی سے اور حجابِ اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری روح کی زندگی، اور اُن کی رُوح مُبارک کو میری حقیقت کا بھید (راز) بنا دے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو میرے تمام حالات اجزاء و اعضائے ظاہری و باطنی سے وابستہ فرما دے، تاکہ آپ کے سوا اور کسی سے تعلق ہی نہ رہے، حق کی اس بنیاد پر، یعنی روزِ میثاق کے عہد و قرار اور "بلیٰ" کہنا (جو کہ انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا)۔ اے اوّل، اے آخر، اے ظاہر، اے باطن! میری پکار سُن لے، جس طرح تم نے اپنے بندے ذکریا علیہ السلام کی پکار سُن لی تھی، اپنی خاص مدد سے، خاص اپنی رضا کے لئے میری مدد فرما۔ اور میرے اور اپنی جناب میں ملاپ فرما۔ اور میرے اور اپنے غیر کے درمیان آ جا، یعنی کسی وقت بھی مجھے کسی حجاب (پردہ) میں نہ رکھیو، اللہ اللہ اللہ، بے شک جس اللہ کریم نے آپ پر قرآن مجید اُتارا، معاد یعنی جہاں کا وعدہ کیا ہے، وہاں لوٹائے گا۔ اے ہمارے رب! اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے معاملے کی

بھلائی دے۔ بیقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود بھیجو اور سلام، جیسا کہ سلام کا حق ہے“۔

۳ اَلصَّلٰوۃُ التَّفْرِیْجِیَّۃُ

فضائل:۔ خزینۃ الاسرار میں شیخ عارف محمد حقی نازلی امام قرطبی سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس درود شریف کو ہر روز ہمیشہ ۴۱ بار یا سو بار یا زیادہ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے غم اور فکر کو دُور اور اس کی تکلیف اور مشکل کو حل کر دے، اس کا کام آسان کر دے، اُس کا سِر (بھید) نورانی کر دے، اُس کی قدر بلند کر دے، اُس کی حالت سنوار دے اور اس کا رزق وسیع کر دے، بہت زیادہ بھلائیوں اور نیکیوں کے دروازے اُس پر کھول دے، حکومت میں اس کی بات کا اثر ڈال دے، زمانے کے حادثوں سے اُسے محفوظ کر دے، بھوک اور محتاجی کی تکلیف سے اُسے بچالے، مخلوق کے دلوں میں اُس کی محبت ڈال دے، اللہ کریم سے جو چیز مانگے اللہ تعالیٰ وہ چیز اس کو عطا کر دے۔ مذکورہ بالا فوائد اور اس کے علاوہ بے شمار برکات اس درود

شریف کو ہمیشہ پڑھتے رہنے سے حاصل ہوتی ہیں۔

وظیفہ:۔ اس درود شریف کا وظیفہ کرنے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں۔

۱۔ ہر پنجگانہ نماز کے بعد گیارہ بار پڑھے۔

۲۔ نماز صبح کے بعد اکتالیس بار پڑھے۔

۳۔ ہر روز سو بار پڑھے۔

۴۔ ہر روز مرسلین کی گنتی کے مطابق ۳۱۳ بار پڑھے۔ (علیہم السلام)

۵۔ ہر روز ایک ہزار بار ہمیشہ پڑھے۔

اُس کو وہ کچھ ملے گا کہ تعریف کرنے والے اس کی تعریف نہ کر سکیں کیونکہ نہ اس کو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی انسان کے دل میں خیال گزرا۔

۶۔ کسی اہم معاملہ میں کامیابی چاہنے والا یا کسی بلا میں گرفتار شخص یہ درود شریف چار ہزار چار سو چوالیس بار پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیّت کے مطابق اس کی مراد پوری کر دے گا۔ (فض ص ۱۶۵-۱۶۴)۔

درود شریف یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ صَلٰوۃً کَامِلَۃً وَّسَلِّمْ سَلَامًا تَامًّا عَلٰی

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرَبُ وَتُقْضٰى بِهِ الْحَوَآئِجُ وَتُنَالُ بِهِ الرَّغَائِبُ وَحُسْنُ الْخَوَاتِمِ وَيُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ الْكَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِیْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَّ نَفَسٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

ترجمہ :۔ ”یا اللہ! درود بھیج کامل اور پورا سلام بھیج ہمارے سردار، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ اُن کے وسیلہ سے مشکلات حل ہو جائیں اور اُس کے ذریعہ سے پریشانیاں کُھل جائیں اور اس کے وسیلہ سے حاجتیں پوری ہو جائیں اور اس کے ذریعہ سے تمنائیں پوری ہوں اور انجام اچھے ہوں۔ اور بادل ان کے چہرہ مبارک کی برکت سے برستا ہے اور اُن کی آل اور اصحاب پر بھی۔ ہر لمحہ میں، ہر سانس میں، اپنی تمام کی تمام معلومات کی تعداد کے مطابق (درود وسلام بھیج)۔

۴۔ اَلصَّلٰوۃُ الْمُنْجِیَۃُ

فضائل :۔ ہر مہم اور مصیبت کے وقت ایک ہزار بار

پڑھا جائے، تو مشکل حل ہو جائے اور مُراد پوری ہو جائے۔ یہ درود شریف رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ صالح موسیٰ ضریر رحمتہ اللہ علیہ کو اس وقت سکھایا جب وہ بحری جہاز میں سوار تھے، جہاز ڈوبنے لگا، تمام لوگ چلّانے لگے۔ شیخ مذکور کو خواب کا غلبہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، فرمایا جہاز والوں سے کہو کہ یہ درود شریف ہزار بار پڑھیں۔ کہتے ہیں کہ میری آنکھ کھلی اور میں نے جہاز والوں سے بیان کیا، تو جب ہم نے تین سو بار پڑھا تو جہاز چل پڑا۔"

اس درود شریف کو جو کوئی پانچ سو بار پڑھے، وہ ہر قسم کا فائدہ حاصل کرے۔

شیخ اکبر علیہ الرحمتہ نے کہا کہ یہ درود شریف عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ آدھی رات کے وقت جو کوئی اسے کسی دنیاوی یا اخروی حاجت کے لئے پڑھے، تو وہ حاجت اللہ تعالیٰ پوری کر دے گا۔ قبولیت دعا کے لئے یہ درود واقعی بجلی سے بھی زیادہ تیز رفتار، اکسیرِ اعظم اور بہت بڑا تریاق ہے۔

درود شریف یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝

ترجمہ :۔ یا اللہ ! ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر درود بھیج ، ایسا درود کہ اس کے وسیلہ سے تو ہمیں تمام خطرات اور آفات سے بچا، اور اس کے وسیلہ سے ہماری جملہ حاجتیں پوری کر دے۔ اور اُس کے وسیلہ سے تو ہمیں تمام گناہوں سے پاک کر دے، اور اُس کے ذریعہ سے اپنی جناب میں بلند درجات سے سرفراز فرما اور اس کے سبب سے ہماری انتہائی خواہشات زندگی اور موت کے بعد کی ہر قسم کی بھلائیوں تک پہنچا دے، اے تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔"

۵۔ اَلصَّلٰوۃُ الْفَاتِحَہُ

کتاب جواہر المعانی (مطبوعہ مصر) میں اس درود شریف کے بہت زیادہ حیران کر دینے والے فضائل درج ہیں۔ عارف تیجانی رحمتہ اللہ علیہ سے بوقتِ زیارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: "جو اس درود شریف کو ایک بار پڑھے، اس کو اتنا ثواب مل جائے گا جتنا کہ اس دن تمام درود و وظائف پڑھنے والوں کو ملے گا۔

غوثِ زمان حضرت محمد البکری الکبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان اس درود شریف کو عمر بھر ایک بار پڑھ لے، تو اگر بفرضِ محال وہ دوزخ میں داخل ہو جائے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میرا دامن پکڑ لے۔ (فض ۱۴۴)

درود شریف یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَ النَّاصِرِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ وَالْھَادِىْ اِلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ ط صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

حَقَّ قَدْرِهٖ وَمِقْدَارِهِ الْعَظِيْمِ ط

(ترجمہ): "یا اللہ! درود اور سلام اور برکت بھیج ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو کھولنے والے ہیں اس کے جو بند کیا گیا تھا اور جو گزرا، اس کے بند کرنے والے ہیں، اور جو دینِ حق کی، حق کے ساتھ، مدد کرنے والے ہیں اور تیری سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن پر اور اُن کی آل پر اور اُن کے اصحاب پر، ان کی عظیم قدرومنزلت کے حق کے مطابق درود بھیج"۔

صَلوٰةُ النُّوْرِ الذَّاتِی

السید ابی الحسن الشاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مؤلف "حزب البحر"، اور امام طریقۂ شاذلیہ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

فضائل: ۔ ۱۔ اس درود شریف کو ایک بار پڑھا جائے، تو ایک لاکھ بار درود شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

۲۔ اگر کسی کو کوئی حاجت پیش آجائے، تو وہ یہ درود شریف، پانچ سو بار پڑھے، تو اللہ کریم نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس کی حاجت پوری کردیتا ہے۔

اور مشکل حل کر دیتا ہے۔

درود شریف یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النُّوْرِ الذَّاتِیِّ السَّارِیْ فِیْ جَمِیْعِ الْاٰثَارِ وَالْاَسْمَآءِ وَالصِّفَاتِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ۔

(ترجمہ): "یا اللہ! درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نورِ ذاتی ہیں، تمام اسماء و آثار و صفات میں سریان کئے ہوئے ہیں، اور اُن کی آل اور اصحاب پر اور سلام بھیج۔

صَلوٰۃُ السَّعَادَۃِ

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس درود شریف کو اگر ایک بار پڑھا جائے، تو چھ لاکھ بار درود شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ (فضل ص ۱۴۹)

درود شریف یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِیْ

عِلْمِ اللّٰهِ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ مُلْكِ اللّٰهِ۔

(ترجمہ): ''یا اللہ! درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس تعداد کے مطابق جو اللہ کے علم میں ہے۔ ایسا درود جو اللہ تعالیٰ کے دائمی ملک کے ساتھ دوامی ہو۔''

صَلٰوۃ غَوْثِیَّہ

۹۔

یہ درود شریف اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیاض سے لیا گیا ہے۔

درود شریف یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

(ترجمہ) ''یا اللہ! ہمارے سردار اور آقا، کرم وسخا کی کان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل پر درود، برکت اور سلام بھیج۔

صَلوٰۃِ چشتیّہ

۹۔ قبلہ الحاج پیر غوث محمد صاحب چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے بیاض سے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ۔

(ترجمہ) : "یا اللہ! ہمارے سردار، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر ذرہ کی گنتی کے مطابق (ایک لاکھ ضرب ایک ہزار) یعنی دس کروڑ بار درود بھیج۔

صَلوٰۃِ نقشبندیہ

۱۰۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ نِبْرَاسِ الْاَنْبِیَآءِ وَنَیِّرِ الْاَوْلِیَآءِ وَزِبْرِ کَانِ الْاَصْفِیَآءِ وَیُوْحِ الثَّقَلَیْنِ وَضِیَآءِ الْخَافِقَیْنِ۔

(ترجمہ) : "یا اللہ! ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمارے سردار، انبیاء کے چراغ، اولیاء کے

آفتابِ تاباں، برگزیدہ بندوں کے چمکتے چاند، ثقلین کے سورج، مشرق و مغرب کی روشنی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج"۔

۱۱۔ صَلوٰۃِ خِضرِیّہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ! اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر سلام اور درود بھیج"۔

(اس کی اجازت حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رضی اللہ عنہ نے عطا فرمائی ہے)

۱۲۔ صَلوٰۃِ کَمَالِیَہ

فضائل:۔ ۱۔ ایک بار پڑھنے سے ستّر ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

۲۔ اگر کسی کو نسیان (بھولنے) کی بیماری ہو، تو وہ نماز مغرب اور عشاء کے درمیان اس درود شریف کو بلا تعداد

پڑھا کرے، تو انشاء اللہ یہ بیماری دُور ہو جائے گی۔ اور حافظہ بڑھ جائے گا"۔

درود شریف یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْكَامِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ كَمَا لَا نِهَايَةَ لِكَمَالِكَ وَعَدَدَ كَمَالِهٖ ۔ (نفض ص۱۹۱)

(ترجمہ) یا اللہ! ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نبیٔ کامل پر اور آپ کی آل پر درود و سلام اور برکتیں بھیج ایسی جیسی تیرے کمال کی انتہا نہیں ہے اور اس نبیٔ پاک کے کمال کا شمار نہیں۔

صَلوٰۃُ حَلِّ الْمُشْکِلَات

۱۳۔ مفتیٔ دمشق، حامد آفندی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ سخت مشکلات میں گرفتار ہو گئے، وہاں کا وزیر اُن کا سخت دشمن ہو گیا۔ ایک رات وہ بہت زیادہ کرب و بلا میں تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ اس عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، انہیں تسلّی دی اور یہ درود شریف سکھایا اور فرمایا کہ جب تو اس

کو پڑھے گا تو اللہ کریم تیری مشکل حل کر دے گا۔ آنکھ کھل گئی۔
یہ درود شریف پڑھا، تو مشکل حل ہو گئی۔

اکابرینِ ملت نے اکثر مشکلات میں اس کو پڑھا ہے۔
فتاویٰ شامی کے مؤلف علامہ سید ابنِ عابدین رحمتہ اللہ علیہ کے ثبت میں اس کی باضابطہ سند موجود ہے۔ (فقص ۱۵۴)

اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھے، پہلی رکعت میں الحمد شریف کے بعد سورۃ الکفرون اور دوسری رکعت میں الحمد شریف کے بعد سورۃ اخلاص پڑھے۔ فارغ ہونے پر قبلہ رو ہو کر ایسی جگہ بیٹھے جہاں سو جانا ہو۔ صدقِ دل سے توبہ کرتے ہوئے ایک ہزار بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ پڑھے۔ اس کے بعد دو زانوں ادب سے بیٹھ کر یہ تصوّر باندھے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوں اور عرض کر رہا ہوں سو بار دو سو بار، تین سو بار۔ غرضیکہ پڑھتا جائے۔ جب نیند کا غلبہ ہو تو اسی جگہ دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے۔ جب رات کے آخری پہر جاگے، تو پھر اُسی جگہ با ادب بیٹھ کر صبح کی نماز تک درود شریف پڑھتا رہے۔ پڑھتے وقت اپنی حاجت یا مشکلات کے حل کا تصور رکھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک رات میں یا تین راتوں

میں مراد بر آئے گی۔ آخری رات جمعہ کی ہو تو بہتر ہے۔

درود شریف یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ قَدْ ضَاقَتْ حِیْلَتِیْ اَنْتَ وَسِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔

(ترجمہ): "یا اللہ! ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور برکتیں بھیج۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دستگیری فرما (کیونکہ) میرا حیلہ اور کوشش تنگ آچکے ہیں"۔ فقیر اویسی نے اسے آزمایا ہے اور یاران طریقت اور عام اسلام بھائیوں کو بتایا تو مفید ثابت ہوا۔

۱۴۔ صلوٰۃ قطب الاقطاب سیّد احمد بدوی رضی اللہ عنہ

فضائل:۔ ا۔ بہت زیادہ انوار حاصل ہوتے ہیں۔

۲۔ بہت سے اسرار کھل جاتے ہیں۔

۳۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب اور بیداری میں ہو جاتی ہے۔

۴۔ قطب کے درجہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

۵۔ ظاہری اور باطنی رزق آسانی سے میسر آجاتا ہے۔

۶۔ نفس، شیطان اور تمام دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کی مدد سے غالب آجاتا ہے۔

۷۔ اس کے خواص بے شمار اور بے حساب ہیں۔

۸۔ اسے اگر تین مرتبہ پڑھیں، تو دلائل الخیرات کے ختم کا ثواب ملتا ہے۔

شرائطِ ورد: ۱۔ وضو کامل ہو۔

۲۔ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا تصور ہو۔

وظیفہ: ۱۔ نمازِ فجر اور مغرب کے بعد تین تین بار پڑھے۔ عجیب و غریب اسرار نظر آئیں۔

۲۔ ہر نماز کے بعد سات بار پڑھے۔

۳۔ ایک سو بار پڑھے تو تین بار دلائل الخیرات کے پڑھنے کا ثواب ملے۔

۴۔ چالیس روز سو بار روزانہ استقامت کے ساتھ پڑھے، تو ایسے انوار اور بھلائیاں دیکھے کہ ان کی قدر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (فض ص ۵۷-۵۶)

درود شریف یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا

مُحَمَّدٍ شَجَرَةِ الْاَصْلِ النُّوْرَانِيَّةِ وَلَمْعَةِ
الْقَبْضَةِ الرَّحْمَانِيَّةِ وَالْاَفْضَلِ الْخَلِيْقَةِ
الْاِنْسَانِيَّةِ وَاَشْرَفِ الصُّوْرَةِ الْجِسْمَانِيَّةِ وَ
مَعْدِنِ الْاَسْرَارِ الرَّبَّانِيَّةِ وَخَزَائِنِ الْعُلُوْمِ
الْاِصْطِفَائِيَّةِ صَاحِبِ الْقَبْضَةِ الْاَصْلِيَّةِ
وَالْبَهْجَةِ السَّنِيَّةِ وَالرُّتْبَةِ الْعَلِيَّةِ مَنْ
اَنْدَرَجَتِ النَّبِيُّوْنَ تَحْتَ لِوَآئِهٖ فَهُمْ مِّنْهُ
وَ اِلَيْهِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِ
وَصَحْبِهٖ عَدَدَ مَاخَلَقْتَ وَرَزَقْتَ وَاَمَتَّ
وَاَحْيَيْتَ اِلٰى يَوْمِ تَبْعَثُ مَنْ اَفْنَيْتَ وَسَلِّمْ
تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ: "یا اللہ! درود، سلام و برکت بھیج ہمارے سردار اور آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نورانی اصل کے درخت اور رحمانی ظہور کی چمک اور انسانی تخلیق کے افضل اور جسمانی صورت کے اشرف اور ربانی رازوں کے کان اور برگزیدہ علوم کے خزانے، اصل ظہور والے اور روشن طلعت اور بلند مرتبہ پردہ، جس کے جھنڈے کے نیچے تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے۔ وہ سب نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرنے والے اور نسبت والے ہیں، اور صلوٰۃ وسلام اور برکت ہو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر۔ اس تعداد کے مطابق جو آپ نے مخلوق پیدا کی اور رزق دیا اور موت دی، زندگی بخشی، اس دن تک کہ تُو زندہ کرے گا جس کو مُردہ کیا۔ اور خوب سلام بھیج اور براہِ راست یا بالواسطہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں"۔

درود شریف

۱۶۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَارْزُقْنَا بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ لَذَّۃَ وِصَالِہٖ۔

(ترجمہ): "یا اللہ درود، سلام، برکات بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر۔ اور درود کے وسیلہ سے آپ کے وصال (ملاقات) کی لذّت چکھا دے"۔ (جواہر البحار ج ۳ صـ ۳۸)۔

خاصیت :۔ برکاتِ زیارت۔

درود شریف

۱۷۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَآئِھَا وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَ شِفَآئِھَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَآئِھَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ۔

(ترجمہ): "یا اللہ! درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو دلوں کے طبیب اور اُن کی دوا ہیں۔ اور جسموں کی عافیت اور ان کی شفا ہیں۔ اور آنکھوں کا نور اور اُن کی چمک ہیں اور آپ کی آل اور اصحاب پر درود اور سلام بھیج۔"

(جواہر البحار ج ۲ ص۱۰۴)۔

خاصیت :۔ جسمانی و روحانی بیماریوں سے شفاء۔

درود شریف

۱۸۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْحَبِیْبِ الْعَالِی الْقَدْرِ الْعَظِیْمِ الْجَاہِ

وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ۔

(ترجمہ): یا اللہ! درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نبیٔ اُمّی ہیں، حبیب ہیں، عالی قدر، بڑے مرتبے والے ہیں۔ اور اُن کی آل اور اصحاب پر بھی درود وسلام ہو۔ (جواہر البحار ج ۳ ص ۴۱)۔

خاصیت: ہر شب جمعہ کو خواہ ایک بار پڑھے (زیارت ہوگی) سرکار کی، تشریف آوری قبر میں بھی ہوگی۔

نوٹ: مذکورہ بالا صرف چند نمونے عرض کئے، خلوص وعقیدت سے ان میں سے کسی ایک کو آزما کر دیکھئے لیکن عقیدۂ اہلسنّت شرط ہے۔ عقیدہ کی گندگی سے اُلٹا ان سے نقصان ہوگا۔

اہلسنّت ہوشیار

خوارج زمانہ نہ صرف درود تاج کے دشمن ہیں بلکہ انہیں اہلسنّت کے جملہ معمولات سے بغض وعداوت ہے۔ آزما کر دیکھئے کہ دلائل الخیرات شریف ایک آزمودہ اور تسلیم شدہ وظیفہ (مجموعۂ صلوٰۃ) ہے لیکن انہیں اس سے ایسے بغض وعداوت ہے کہ جیسے منکرینِ اسلام کو قرآنِ مجید سے ہے۔

.....•.....

تمّت بالخیر